حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے پر دلائل اور اعتراضات کے جوابات

مسئلہ ظلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تحقیقی نظر

اور

دلائلِ نفی و اثبات کا جائزہ

تحریر

غزالیِ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی امروہوی رحمۃ اللہ علیہ



فلاح ریسرچ فاؤنڈیشن

مسئلہ ظلِ نبی ﷺ پر تحقیقی نظر
اور
دلائلِ نفی واثبات کا جائزہ

تحریر:

غزالیِ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی امروہوی رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ:

خلیل احمد رانا

ناشر

فلاح ریسرچ فاؤنڈیشن

523/7, Waheed Market, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi-110006
Mobile: 09867934085 / Email: zubairqadri@in.com

نام کتاب : مسئلہ ظل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر تحقیقی نظر اور دلائل نفی و اثبات کا جائزہ

مصنف : علامہ سید احمد سعید کاظمی

کمپوزنگ : خلیل احمد رانا

سن اشاعت : ۲۵ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ/ ۲۰۱۴ء

تعداد : ۱۱۰۰

صفحات : 200

قیمت : -/Rs.110 (ایک سو دس روپے)

کتاب ملنے کے پتے

(۱) کتب خانہ امجدیہ، ۴۲۵ مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔۶ (فون:011-23243187)

(۲) عرشی کتاب گھر، حیدر آباد (موبائل:09440068759)

(۳) ناز بکڈپو، بھنڈی بازار، ممبئی۔۳

(۴) مدینہ کتاب گھر، اولڈ آگرہ روڈ، مالیگاؤں، مہاراشٹر (موبائل9325028586)

(۵) مدنی بک اسٹال، قادریہ مسجد کمپلیکس، بنکاپور چوک، ہبلی، دھارواڑ، کرناٹک

(۶) فتح اللہ، نمبر ۱۰۱۶، فرسٹ مین روڈ، آرٹی نگر، بنگلور۔۳۲ (موبائل:09945081222)

(۷) فلاح ریسرچ فاؤنڈیشن، کانپور (موبائل:09026982627)

تقریباً ایک مہینہ ہوگیا (یہ شوال ۱۳۷۹ھ/اپریل ۱۹۶۰ء کی بات ہے) کہ مختلف اور متعدد مقامات سے احباب کے پیغامات آرہے ہیں کہ ماہنامہ "تجلی" دیوبند اور ہفت روزہ "تنظیم اہلِ حدیث" لاہور وغیرہ رسائل میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اقدس کا سایہ ثابت کرنے کے لیے زوردار مضامین شائع کیے گئے ہیں اور اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ایک رسالہ "نفی الفی عمن استنار بنورہ کل شئی" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے پر تحریر فرمایا ہے، اس پر اچھی طرح پھبتیاں کسی گئی ہیں اور اس کا خوب مذاق اُڑایا گیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ صحیح حدیثوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ ثابت کیا گیا ہے جنہیں پڑھ کر عامۃ المسلمین نہایت مضطرب اور متعجب ہیں۔ اس لیے ان حدیثوں کے جوابات اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے رسالۂ مبارکہ کی تائید و توضیح نہایت ضروری ہے تاکہ مسلکِ اہلِ سنت بے غبار ہوجائے اور کسی قسم کا خلجان باقی نہ رہے۔ اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے موصول شدہ خطوط (موصول شدہ خطوط میں ایک خط مولانا ابوداؤد محمد صادق صاحب نگران اخبار "رضائے مصطفیٰ" گوجرانوالہ کا ہے اور ایک خط مرزا ریاض احمد صاحب حافظ آبادی کا ہے جو امام اہلِ سنت حضرت قبلہ علامہ ابوالبرکات صاحب شیخ التفسیر والحدیث دارالعلوم حزب الاحناف کے نام آیا تھا اور دفتر ماہنامہ "رضوان" لاہور سے فقیر کو موصول ہوا۔ احمد سعید کاظمی) سے منکرین نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مضامین کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

(۱) ماہنامہ تجلی دیوبند نے لکھا ہے:

"بہت سی غلط باتوں کی طرح ایک یہ بات بھی شہرہ پاگئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا، بعض سادہ فطرت اور جذباتی اسلاف نے تو اس بے اصل خیال کا چرچا کیا ہی تھا لیکن ہندوستان میں اسے پھیلانے کی ذمہ داری قبر پرستوں پر عموماً اور مولانا احمد رضا خان صاحب پر خصوصاً ہے، انہوں نے "اناہ الفی" (مستفتی کی اصل تحریر میں اسی طرح ہے) نام سے ایک کتابچہ لکھا تھا، جس میں اپنے معروف علم کلام کے ذریعہ سے اس بے

اساس عقیدے کو حقیقتِ ثابتہ منوانے کی کوشش کی تھی، نتیجہ ظاہر ہے ان کے معتقدین نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور بات پھیل گئی''۔

(ماہنامہ تجلی دیوبند، ص ۱۱، بابت فروری ۱۹۵۹ء)

اس کے بعد ماہنامہ تجلی میں لکھتے ہیں:

''دیوبندی مکتبۂ فکر کو اگر ایک عمارت سمجھ لیا جائے تو کون نہیں جانتا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اس کے ایک ستون رہے ہیں، ان کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اوّل (مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دہلی) میں عنوان ہے۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑنے کی حدیث کا موضوع ہونا''، اس کے تحت ایک سائل کے جواب میں مولانا لکھتے ہیں ''سائل نے اسی روایت کا ذکر کیا تھا جو الخصائص الکبریٰ کے واسطہ سے مفتی کا مستدل ہے، یہ روایت کتب صحاح میں نہیں اور نوادر کی روایت کا بندہ کو حال معلوم نہیں کہ کیسی ہے، نوادر الاصول حکیم ترمذی کی ہے نہ کہ ابوعیسیٰ ترمذی کی''۔

(ماہنامہ تجلی دیوبند، شمارہ، فروری، مارچ ۱۹۵۹ء، ص ۱۲، کالم ۲)

نیز صفحہ نمبر ۱۳ پر ماہنامہ تجلی میں مرقوم ہے:

''الحاصل اوّل تو ایک ایسے عامۃ الورود واقعہ میں تمام صحابہ کا سکوت اور صرف ایک حدیث مرسل کا اس میں مذکور ہونا ہی علامت قویہ، روایت کے غیر ثابت وغیر معتبر ہونے کی ہے۔ ثانیاً روایت مرسل ہے۔ ثالثاً اس کا راوی بالکل کاذب واضع حدیث ہے، جس سے اگر حدیث موضوع کہہ دیا جائے تو بعید نہیں''۔

(ماہنامہ تجلی دیوبند، بابت ماہ فروری، مارچ ۱۹۵۹ء، ص ۱۳)

منکرین کے مضامین کا یہ خلاصہ میرزا ریاض احمد صاحب حافظ آبادی کے مکتوب سے لیا گیا ہے۔

(۲) اب مولانا ابوداؤد محمد صادق صاحب نگران ''رضائے مصطفیٰ'' گوجرانوالہ کے

مکتوب گرامی سے ہم ان احادیث کو پیش کرتے ہیں جو مولانا ممدوح نے منکرین کے رسائل و جرائد سے نقل فرمائی ہیں اور منکرین ۔نے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

حدیث نمبر ۱: مسند امام احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، اس میں ایک گھریلو شکر رنجی کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اُم المومنین فرماتی ہیں: فبینما یوماً بنصف النہار اذا انا بظل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبل۔ پس ایک دن دوپہر کے وقت دفعتہ رسول اللہ تشریف لائے اور میں نے پہلے ان کا سایہ ہی دیکھا۔

حدیث نمبر ۲: ایک حدیث حافظ ابن قیم نے اپنی کتاب "حادی الارواح الی بلاد الافراح" میں بیان کی ہے۔ اس میں حضور ہی زبانِ مبارک سے "ظلی و ظلکم" (میرا اور تمہارا سایہ) کے الفاظ صادر ہوئے ہیں۔ یہ روایات نہ مرسل ہیں، نہ ان کا کوئی راوی ساقط الاعتبار ہے۔

(ماہنامہ تجلی، دیوبند، شمارہ فروری، مارچ ۱۹۵۹ء، ص ۱۸۔ رسالہ "ظل نبی"، ص ۶، ۷)

حدیث نمبر ۳: آٹھویں صدی کے مشہور محدّث حافظ نور الدین علی ابن ابی بکر الہیثمی نے اپنی کتاب مجمع الزوائد، جلد چہارم طبع قاہرہ کے صفحہ ۳۲۳ پر نقل کی ہے اور اس کے تمام راویوں کی توثیق فرمائی ہے۔ امید ہے آپ اس پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم فى سفر ونحن معهٗ فاعتل بعير لصفية وكان مع زينب فضل فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم ان بعير صفية قد اعتل فلو اعطيتها بعيرا لك قالت انما اعطى هذه اليهودية فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم وهجرها بقية ذى الحجة و محرم وصفر واتاماً من شهر ربيع الاول حتى رفعت متاعها و سريرها وظنت انه لا حاجة له فيها فبينما هى ذات يوم قاعدة بنصف النهار اذ رات ظلهقد اقبل فاعادت سريرها ومتاعها۔

(ہفت روزہ ''تنظیم اہلِ حدیث'' لاہور، شمارہ ۸ رجنوری ۱۹۶۰ء، ص ۴)

احباب کے خطوط سے منکرین کے دلائل کا جو مواد ہمارے سامنے آیا وہ من وعن ناظرین کرام کی خدمت میں ہم نے پیش کر دیا۔ منکرین کی تحریروں میں سے صرف ایک رسالہ ''ظلِ نبی'' منظوم بزبانِ پنجابی ہماری نظر سے گذرا ہے۔ ماہنامہ تجلی دیو بند ہمیں نہیں ملا، نہ مجمع الزوائد دستیاب ہو سکی۔ البتہ مسند امام احمد میں منکرین کی پیش کردہ روایت ہم نے تلاش کر لی، جس کے دیکھنے سے ہمیں پتہ چل گیا کہ مجمع الزوائد، جلد چہارم، ص ۳۲۳ اور مسند امام احمد، جلد ٦، ص ۱۳۲ سے منقولہ دونوں روایتوں کا مضمون واحد ہے اور ان دونوں پیش کردہ روایتوں میں حجۃ الوداع کے سفر میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وہی ایک واقعہ مذکور ہے، جس کا خلاصہ ترجمہ درج ذیل ہے:

''حضرت عائشہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے اور ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے، راستہ میں (اُم المومنین حضرت) صفیہ کا اونٹ بیمار ہو گیا، (اُم المومنین حضرت) زینب کے پاس فالتو اونٹ تھا، حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ صفیہ کا اونٹ بیمار ہو گیا ہے اور تمہارے پاس زیادہ اونٹ موجود ہے، اگر تم اپنا ایک اونٹ صفیہ کو دے دو تو بہتر ہے۔ حضرت زینب نے کہا حضور! اس یہودیہ کو میں اپنا اونٹ دے دوں؟ حضور علیہ السلام ناراض ہو گئے اور ان سے بات چیت کرنا چھوڑ دیا (حجۃ الوداع کے سفر میں بماہِ ذی الحجہ یہ واقعہ پیش آیا تھا) حضرت زینب کو چھوڑے رکھنے کا زمانہ اتنا طویل ہوا کہ ذی الحجہ کا بقیہ مہینہ گذر گیا، محرم اور صفر کے دونوں مہینے گذر گئے اور ماہِ ربیع الاوّل کے چند دن بھی اسی حال میں گذرے، حتیٰ کہ حضرت زینب نے اپنا بستر اور چارپائی وغیرہ سامان بھی اُٹھا دیا اور یہ سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اب ان کی کوئی ضرورت نہیں رہی ہے، وہ اسی حال میں ایک دن بیٹھی ہوئی تھیں، دوپہر کا وقت تھا، ناگہاں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظلِ کریم کو سامنے سے

آتے ہوئے دیکھا تو اسی وقت اپنے بستر وغیرہ کو واپس لوٹا دیا۔"

تنظیم اہلِ حدیث کا پرچہ بھی ہمیں نہ مل سکا، اور "حادی الارواح الی بلاد الافراح" مصنفہ علامہ ابنِ قیم بھی دستیاب نہ ہوسکی، لیکن رسالہ "ظلِ نبی" سے اس کا مضمون سامنے آگیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے دوزخ و جنت کو حضور کے سامنے کر دیا، حضور علیہ السلام نے صحابہ سے ارشاد فرمایا: پھر میں نے اپنے اور تمہارے درمیان نار کو دیکھا، اور ساتھ فرمایا "حتیٰ لقد رأیت ظلی وظلکم" (یہاں تک کہ میں نے اپنا اور تمہارا ظل دیکھا)۔

(رسالہ ظلِ نبی، ص ۶)

(مضمون زیر نظر کی ترتیب کے دوران عزیز محترم حضرت مولانا العلام میاں فتح محمد صاحب الحنفی القادری جلال پوری سلمہم اللہ تعالیٰ نے "حادی الارواح" مصنفہ علامہ ابن قیم کی حدیث نقل کر کے بذریعہ ڈاک بھیج دی، جس پر میں اپنے فاضل ممدوح کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کے حق میں علم و عمل کی ترقی کے لیے دعا کرتا ہوں، وہ پوری حدیث بمعہ ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے:

عن انس بن مالك رضی الله تعالیٰ عنه قال صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ذات یوم صلوٰة الصبح ثم مدیدهٗ ثم اخرها فلما سلم قیل له یا رسول الله لقد صنعت فی صلوٰتك شیئا لم تصنعه فی غیر ها قال انی رائیت الجنة فرایت فیها دالیة قطو فها دانیةٌ حبها کالدباغ فاردتان اتناول منها فاوحی الی ان استا خر فاستاخرت ثم رایت النار فیما بینی وبینکم حتی لقد رایت ظلی و ظلکم فاومأت الیکم ان استاخروا فاوحی الی اقرهم فانك اسلمت واسلمو وهاجر وهاجرواوجاهدت و

جاهدوا فلم ارلی علیکم فضلاً الا بالنبوۃ انتہی۔

(حادی الارواح، مطبوعہ مصر، ص ۴۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک صبح کی نماز پڑھائی، پھر حضور نے اپنا مبارک ہاتھ بڑھایا پھر اسے پیچھے ہٹالیا، سلام پھیرنے کے بعد حضور سے عرض کیا گیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس نماز میں آپ نے وہ کام کیا جو اس کے علاوہ کسی دوسری نماز میں آپ نے کبھی نہیں کیا تھا (یعنی ہاتھ بڑھا کر پیچھے ہٹانا) حضور علیہ السلام نے فرمایا میں نے جنت دیکھی اور اس میں انگور کی بیل کے خوشے دیکھے جو بہت قریب تھے، ان کے دانے کدّو کی طرح (بڑے) تھے، میں نے ان سے لینا چاہا تو میری طرف وحی کی گئی کہ محبوب آپ آگے نہ بڑھیں، چنانچہ میں فوراً پیچھے ہٹ گی، پھر میں نے اپنے اور تمہارے درمیان نار کو دیکھا یہاں تک کہ میں نے اپنے ظل اور تمہارے ظل کو ملاحظہ کیا، (آگ اس قدر قریب تھی کہ) میں نے تمہیں پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا، پھر میری طرف وحی کی گئی کہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ انہیں ان کی جگہ برقرار رہنے دیں، (آپ کی طرح ان کو بھی اس نارِ جہنم سے کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی) کیونکہ آپ بھی اسلام لائے اور یہ بھی اسلام لائے، آپ نے بھی ہجرت کی اور انہوں نے بھی ہجرت کی، آپ نے بھی جہاد کیا اور انہوں نے بھی جہاد کیا، (لہٰذا جس طرح آپ اس نارِ جہنم کی لپیٹ میں نہیں آسکتے اسی طرح آپ کے طفیل یہ بھی اس لپیٹ میں نہیں آسکیں گے)، (صحابۂ کرام سے) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے نبوت کے سوا تمہارے اوپر اپنے لیے اور کوئی فضیلت نہ دیکھی۔ (نبوت کے سوا کسی فضیلت کے نہ دیکھنے کا ارشاد محض تواضعاً ہے ورنہ فضیلت نبوت ایسی چیز ہے کہ تمام فضائل وکمالات اور جملہ محامد ومحاسن کو حاوی ہے۔ مترجم)

علاوہ ازیں رسالہ ''ظلِ نبی'' میں قرآن مجید کی تین آیتوں سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ ثابت کیا گیا ہے،، جوحسب ذیل ہیں:

ا۔ واللہ یسجد من فی السموت والارض طوعاً و کرھاً وظلھم بالغدو والاصال۔

''اور واسطے اللہ تعالیٰ کے سجدہ کرتا ہے جوکوئی آسمانوں کے اور زمین کے بیچ ہے، خوشی اور ناخوشی سے اور سائے ان کے صبح کو اور شام کو''۔

(رسالہ ظلِ نبی، ص ۳)

۲۔ اولم یرون ما خلق اللہ من شئی یتفیؤ ظلالہ عن الیمین والشمائل سجدا للہ وھم داخرون۔

''کیا نہیں دیکھا انہوں نے مخلوق خدا میں سے کسی کو بھی کہ اس سامنے دائیں بائیں جھک کر خدا کے سامنے سربسجود ہیں''۔

(رسالہ ظلِ نبی، ص ۴)

۳۔ واللہ یسجد ما فی السموت وما فی الارض من دابۃ والملئکۃ وھم لایستکبرون یخافون ربھم من فوقھم ویفعلون مایؤمرون۔

''اور اللہ کے واسطے سجدہ کرتے ہیں جو کچھ بیچ آسمانوں کے اور جو کچھ بیچ زمین کے ہیں، چلنے والوں سے اور فرشتے اور وہ نہیں تکبر کرتے، ڈرتے ہیں پروردگار اپنے سے اوپر اپنے سے اور کرتے ہیں جو کچھ حکم کیے جاتے ہیں''۔

(رسالہ ظلِ نبی، ص ۵)

تین آیتیں اور تین حدیثیں مثبتین ظلِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مزعومہ سرمایہ ہے، مثبتین ظلِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''سرمایہ مزعومہ'' یہی تین آیتیں اور تین حدیثیں ہیں، جنہیں ان کے دعویٰ سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور جن کا ایک لفظ بھی یہ نہیں بتاتا کہ حضور نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اقدس کا سایہ تھا، جیسا کہ ان شاء اللہ العزیز عن قریب ہمارے ناظرین کرام پر واضح ہو

جاۓ گا، اور حقیقت بےنقاب ہوکر سامنے آجاۓ گی کہ منکرین نورانیت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے استدلال کی عمارت ان اوھن البیوت لبیت العنکبوت سے بھی گئی گذری ہے۔

رہے وہ رکیک شبہات اور نفی ظل کی حدیث پر اعتراضات جو بحوالہ ماہنامہ "تجلی" دیوبند، جناب میرزا ریاض احمد صاحب حافظ آبادی کے مکتوب سے ہم نقل کر چکے ہیں، تو ان سب کا سہارا اور اصل، منکرین کی پیش کردہ آیات واحادیث کا وہی غلط مفہوم ہے جس کو ظلِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ثبوت میں پیش کیا گیا۔ جب ان آیات واحادیث کا مفہوم سامنے آجاۓ گا، تو وہ سہارا بھی باقی نہ رہے گا اور اہلِ انصاف بے ساختہ کہہ اٹھیں گے کہ ؎

وہ شاخ ہی نہیں ہے اب جس پہ آشیاں تھا

اب رہا منکرین ومعترضین کا امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت مجدد ملت رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ اقدس میں ناشائستہ کلمات کہنا اور حضرت ممدوح کے رسالۂ مبارکہ "نفی الفی" پر پھبتیاں اُڑانا، تو یہ کوئی نئی بات نہیں، یہ لوگ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیفِ جلیلہ پر اپنی لاعلمی کی وجہ سے ہمیشہ مذاق اُڑاتے اور منہ کی کھاتے رہے۔ پچھلے دنوں ہمارے ناظرین کرام "الصدیق، ملتان" کا مضمون اعلیٰ حضرت کے خلاف اور اس کا دندان شکن جواب "السعید" کے صفحات میں پڑھ چکے ہوں گے، اور اس سے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی جلالتِ علمی اور منکرین کی بے مائیگی ولاعلمی کا انہیں بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس مضمون کے مطالعہ سے یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہوجاۓ گی کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وسعتِ علم کو پانا تو درکنار اس کا سمجھنا اور اندازہ لگانا بھی ان لوگوں کے لیے آسان نہیں۔

ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔

بیانِ مسئلہ اور منکرین کے استدلال پر کلام کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ بعض لوگ کم علمی اور ناواقفیت کی وجہ سے ہر مسئلۂ شرعیہ پر نصوصِ قطعیہ اور قرآن وحدیث سے دلائلِ صریحہ طلب کرتے ہیں اور کہہ دیا کرتے ہیں کہ مطلقاً باب عقائد میں بجز نصِ قطعی قرآن وحدیث کی صریح عبارت کے کوئی چیز قابلِ قبول نہیں، حالانکہ اِن کا یہ کہنا قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔ یاد رکھیے قطعی دلیل اور قرآن وحدیث کی صریح قطعی عبارتیں صرف ان عقائد

کے لیے ضروری ہیں جو قطعی ہوں اور جن پر مدارِ ایمان ہو۔ باقی رہے عقائدِ ظنیہ تو ان کے لیے ظنی دلیلیں پیش کی جائیں گی۔ شرح عقائدِ نسفی میں ''تفضیلِ رسل'' پر کلام کرتے ہوئے شارح علامہ فرماتے ہیں: ولا خفاء فی ان ھذہ المسئلة ظنّیّةٌ یکتفٰی فیھا بالادلة الظنّیّة۔ (شرح عقائد نسفی، ص ۱۲۶)

''اس امر میں کوئی خفا نہیں کہ یہ مسئلہ ظنی ہے، جس میں ظنی دلائل پر اکتفا کرلیا جاتا''،

اسی طرح ''نبراس، شرح شرح عقائد'' میں ص ۲۴ پر عقائد کی دو قسمیں قطعی اور ظنی بیان فرمائیں اور اسی مضمون کو واضح فرمایا، نیز اسی نبراس شرح عقائد کی شرح میں ص ۵۹۸ پر منقولہ بالا عبارت کے تحت بہت تفصیل کے ساتھ فرمایا:

حاصل الجواب ان المسائل الاعتقادیة قسمان احد ھما مایکون المطلوب فیه الیقین کوحدۃ الواجب وصدق النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم وثانیھما مایکتفی فیھا بالظن کھذہ المسئلة والاکتفاء بالدلیل الظنی انما لا یجوز فی الاول بخلاف الثانی الخ۔

ترجمہ: شارح کے جواب کا ماحاصل یہ ہے کہ مسائلِ اعتقادیہ کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس میں یقین مطلوب ہو، جیسے واجب تعالیٰ کی وحدت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدق۔ دوسری وہ جس میں ظن پر اکتفا کرلیا جائے، جیسے (تفضیل رسل کا) یہی مسئلہ، دلیلِ ظنی پر جن مسائل میں اکتفا ناجائز ہے وہ صرف پہلی قسم کے مسائل ہیں جن میں یقین مطلوب ہوتا ہے، بخلاف دوسری قسم کے جن میں صرف ظن مطلوب ہو، کہ ان میں دلیلِ ظنی پر بلاشبہ اکتفا جائز ہے۔ احکام کا بھی یہی حال ہے کہ حکم جتنا قوی ہوگا اس کی دلیل اتنی ہی قوی ہوگی۔

عقائد واحکام کے بعد فضائل ومناقب کی طرف آیئے تو اس سے بھی تنزل اختیار کرنا پڑے گا، یعنی ضعیف حدیثیں بھی اس باب میں معتبر ہوں گی، جیسا کہ خود محدثین کرام نے

جا بجا اس کی تصریح فرمائی۔ ہے اور ائمہ فقہاء نے فضائل اعمال میں ضعیف ترین احادیث کو معمول بہا قرار دیا ہے، دیکھیے مسح رقبہ (وضو میں گردن پر مسح کرنے) کی حدیث ایسی ضعیف شدید ہے کہ بعض محدثین نے اسے موضوع تک کہہ دیا، لیکن ائمہ وفقہاء نے اسے بھی معمول بہ مانا اور آج تک اس پر عمل ہوتا چلا آ رہا ہے۔

فضائل ومناقب میں ضعاف کا معتبر ہونا متفق علیہ ہے۔ ابن حجر، ملا علی قاری، شاہ عبدالحق دہلوی وغیرہ ہم علما کی تصریحات خصوصاً محدثین وفقہائے احناف نے صاف صاف ارقام فرمایا، جس سے کوئی اہلِ علم بے خبر نہیں، دیکھیے افضل القریٰ، مقدمہ مشکوٰۃ، موضوعاتِ کبیر ص ۶۳، ۶۴، قفوالاثر، بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ حدیث کا مضمون قوی حدیث کے مضمون سے مؤید ہو۔ لازماً اس حدیث ضعیف کو فضائل ومناقب میں قابلِ احتجاج سمجھا جائے گا۔

عقائد واعمال سے متعلق ہمارے بے شمار ایسے مسائل ہیں جنہیں ہم جزم ویقین کے مرتبہ میں شمار نہیں کرتے، بلکہ محض فضیلت ومنقبت کے درجے میں مانتے ہیں، حتیٰ کہ اگر کوئی نیک دل طالبِ حق محض دلیل نہ ملنے کی وجہ سے ہمارے اس مسئلے کو تسلیم نہ کرے، تو ہم اسے بدعقیدہ نہیں کہتے، نہ اس کے حق میں برا بھلا کہنا جائز سمجھتے ہیں، بشرطیکہ اس کا انکار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت اور بغض وکینہ کی وجہ سے نہ ہو۔

رہا یہ امر کہ اس نیک نیتی اور بغض وعداوت کا امتیاز کیسے ہوگا، تو میں عرض کروں گا کہ یہ امتیاز اس طرح ہوگا کہ جس نے نہ خود کبھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کی اور نہ کبھی توہینِ رسول کرنے والے کو جان بوجھ کر اچھا مانا، نہ اس کے قول وفعل یا حال سے اس کی بدعقیدگی ثابت ہوئی، تو ایسے شخص کے متعلق سمجھا جائے گا کہ یہ شخص نیک دل ہے اور اس کا انکار محض اس وجہ سے ہے کہ ہمارے مسئلے کی کوئی دلیل اس نے نہیں پائی یا اس کی سمجھ میں نہیں آئی، اور جن لوگوں نے شانِ رسالت میں گستاخیاں کیں، یا گستاخوں کی گستاخی پر مطلع ہو کر انہیں اچھا جانا اور اپنا مقتدا مانا، یا ان کے کسی قول، فعل یا حال سے بارگاہِ نبوت میں بداعتقادی ظاہر ہوئی، تو ایسے لوگ جب کسی فضیلت ومنقبت کا انکار کریں گے، تو ان کی بداعتقادی وگستاخی اور گستاخ

نوازی اس امر کی روشن دلیل ہوگی کہ ان کا یہ انکار معاذ اللہ محض عداوت اور بغضِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہے۔ پہلا انکار تو ایسی زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، لیکن دوسرا یقیناً ایسا خوفناک ہے کہ جس کے تصور سے قلب مومن لرز اُٹھتا ہے۔

الحاصل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اقدس کا سایہ نہ ہونا بھی باب فضائل ومناقب سے ہے، جس پر کفر وایمان کا مدار نہیں، لیکن منکرین کے دل کا بغض وعناد اس بات سے خوب ظاہر ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایک فضیلتِ ثابتہ کی نفی کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، حتیٰ کہ بزعم خود تین حدیثیں معاذ اللہ جسمِ اقدس کا تاریک سایہ ثابت کرنے کے لیے تلاش بسیار کے بعد نکال لیں، جن سے استدلال مذکور کا تصور آج تک کسی کے ذہن میں نہ آیا تھا، فضائل وکمالاتِ نبوت کو مٹانے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کون سا شرمناک اقدام ہوسکتا ہے۔

منکرین نے تلاشِ بسیار کے بعد جو تین حدیثیں پیش کی ہیں ان کی صحت وحقانیت سے ہمیں بحث نہیں، لیکن ان کے استدلال کی گفتگو جب ہمارے کان سنتے ہیں تو ہمیں نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وہ مبارک حدیث یاد آجاتی ہے جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا:

"سیکون فی اخر اُمتی اناسٌ یحدثو نکم بما لم تسمعوا انتم ولا اٰباؤ کم فایا کم وایاھم وفی روایۃٍ یاتو نکم من الاحادیث بما لم تسمعو انتم ولا اٰباؤ کم فایا کم وایاھم لا یضلو نکم ولا یفتنو کم، رواہ مسلم۔

(مسلم، جلد اوّل، ص ۹۔ مشکوٰۃ، جلد اوّل، ص ۲۸)

"حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! اخیر زمانہ میں میرے اُمتی (کہلانے والے) تمہیں ایسی حدیثیں (باتیں) سنائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے۔ خبردار! ان سے دُور رہنا، کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔"

الفاظِ حدیث پڑھ کر دل گواہی دیتا ہے کہ کہ آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ چودہ سو برس پہلے

نگاہِ رسالت سے مخفی نہ تھا، پھر قابلِ غور یہ امر ہے کہ ابتدائے اسلام میں ایک دور گزرا جبکہ جاہل ابناء اور ان کے مشرک آباء کا جاہلانہ وجدان شرک وجاہلیت کا معیار ہونے کی وجہ سے انتہائی نفرت وحقارت اور شدید ترین مذمت کے قابل تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مَاوَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا وغیرہ آیات میں ان کا مقولہ اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے بیان فرمایا، لیکن اسلام اور بانی اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی برکت ملاحظہ فرمائیے کہ اخیر زمانہ کے سچے مسلمانوں اور ان کے آباء مسلمین کے وجدان وسماعت کو حق وصداقت کا معیار بلکہ ہدایت کا وہ چمکتا ہوا مینار بنا دیا گیا کہ جو بات ان کے کانوں نے کبھی نہیں سنی وہ کسی مسلمان کے لیے سننے کے قابل ہی نہیں۔

اَب اس بات کا فیصلہ ناظرین خود کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اقدس کا معاذ اللہ تاریک سایہ ثابت کرنے کی بات آپ نے یا آپ کے باپ دادا نے سنی تھی؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو سمجھ لیجیے کہ یہ ایسی بات ہے جو آپ کے سننے کے قابل نہیں بلکہ اپنے آقا ومولیٰ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے بموجب آپ پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں سے آپ بچیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسی باتوں میں آ کر آپ گمراہی کے گڑھے میں جا پڑیں یا خدانخواستہ کسی اور فتنے میں مبتلا ہو جائیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ

مخالفین کی پیش کردہ آیات واحادیث پر کلام کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں محلِ نزاع متعین کر دیا جائے تاکہ نفی واثبات کے دونوں پہلو ناظرین کرام پر اچھی طرح واضح ہو جائیں۔ فاقول وباللہ التوفیق

اہلِ سنت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بشری جسم اقدس کو ایسا لطیف ونظیف اور پاکیزہ ومطہر کر دیا تھا کہ اس میں کسی قسم کی عنصری اور مادّی کثافت باقی نہ رہی تھی، اس لیے چاند، سورج، چراغ وغیرہ کی روشنی میں جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوتے تو جسم اقدس اس روشنی کے لیے حائل نہ ہوتا تھا اور دیگر اجسام کثیفہ کی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم پاک کا کوئی تاریک سایہ نہ پڑتا تھا، کیونکہ سایہ اس جگہ کی تاریکی کو کہتے ہیں جہاں جسم کثیف کے حائل وحاجب ہو جانے کی وجہ

سے چاند سورج وغیرہ کی روشنی نہ پہنچ سکے، جسم مبارک میں جب کثافت ہی نہ تھی تو وہ نورانی جسم کسی روشن چیز کی روشنی کے لیے کیونکر حائل ہو سکتا تھا؟ اس لیے تاریک سایہ سے حضور علیہ السلام کا جسم مبارک پاک تھا۔

رہا یہ امر کہ بشری جسم کا مادی اور عنصری کثافتوں سے اس طرح پاک ہونا محال ہے کہ وہ روشنی کے لیے حاجب نہ ہوسے، تو یہ ایک دعویٰ بلا دلیل ہے، بلکہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا صریح انکار ہے، جب وہ قادرِ مطلق نور سے ظلمت اور ظلمت سے نور کو ظاہر کر سکتا ہے اور زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے، عدم کو وجود اور وجود کو عدم سے بدل دینے پر قادر ہے تو اس کے لیے بشری جسم کو مادّی کثافتوں سے پاک کر دینا کون سی بڑی بات ہے؟

ہاں اگر آپ یہ سوال کریں کہ یہ امر محال تو نہیں لیکن اس کے وقوع کی کیا دلیل ہے؟ تو میں عرض کروں گا کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سراجاً منیرا (روشن کرنے والا چراغ) قرار دینا اور ان کے حق میں قد جاء کم من اللہ نور فرمانا اس وقوع کی چمکتی ہوئی دلیل ہے۔

کیونکہ جس ذاتِ مقدسہ کو "انما انا بشرٌ مثلکم" کہنے کا حکم دیا تھا اگر اس کے وجودِ مبارک سے بشری کثافتوں کو پوری طرح دُور نہ کر دیا ہوتا تو اس کے حق میں "من اللہ نور" اور "سراجاً منیرا" کبھی نہ فرماتا، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باوجود "بشر" فرمانے کے "نور و منیر" محض اس لیے فرمایا گیا کہ جسمِ اقدس سے ہر قسم کی بشری کثافتیں بالکلیہ دور کر دی گئی ہیں، اور جب کثافتیں دور ہو گئیں تو جسمِ اقدس کا تاریک سایہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور ہو گیا۔ واللہ الحمد۔

بعض حضرات من اللہ نور اور سراجاً منیرا کا یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ یہاں "نور" اور "منیر" سے صرف نورِ ہدایت مراد ہے، حسّی اور جسمانی نور ہرگز مراد نہیں۔ ان شاء اللہ العزیز ہم اس موضوع پر کسی وقت مستقلاً سیر حاصل بحث کریں گے۔ سردست اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کے لیے جسمانی اور حسّی نورانیت

بھی احادیث کی روشنی میں ثابت ہے تو پھر آپ کو کیا حق ہے کہ اس کا انکار کریں، اور دیو بندی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والوں کی خدمت میں مزید اتنی گذارش ہے کہ ہماری پیش کردہ اس دلیل کو آپ اس لیے نہیں مانتے کہ یہ ہمارے قلم سے صادر ہوئی ہے، چلیے ہم سے آپ ناراض ہیں آپ کی مرضی! مگر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سے تو کوئی ناراضگی نہیں، لیجیے ان ہی کے منوانے سے مان لیجیے، ہمیں تو آپ کو منوانا مقصود ہے، خواہ کسی طرح آپ مانیں۔

دیکھیے آپ کے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ارقام فرماتے ہیں:

''واز یں جا است کہ حق تعالیٰ در شان حبیب خود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمود کہ آمدہ نزد شما از طرف حق تعالیٰ نور و کتاب مبین و مراد از نور ذاتِ پاک حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است و نیز او تعالیٰ فرماید کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترا شاہد و مبشر و نذیر و داعی الی اللہ و سراج منیر فرستادہ ایم و منیر روشن کردن از انساناں محال بودے آں ذات پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را ہم ایں امر میسر نیامدے کہ آں ذات پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم از جملہ اولاد آدم علیہ السلام اند مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات خود را چناں مطہر فرمود کہ نور خالص گشتند وحق تعالیٰ آنجناب سلامہٗ علیہ را نور فرمود و بتواتر ثابت شد کہ آنحضرت عالی سایہ نداشتند وظاہر است کہ بجز نور ہمہ اجسام ظل مے دارند''۔ انتہی۔

(امداد السلوک، مطبوعہ دخانی پریس ساڈھورہ، ص ۸۵، ۸۶، مصنفہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی)

ترجمہ: ''اور اسی جگہ سے یہ بات ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں فرمایا کہ ''تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور آیا اور کتابِ مبین آئی'' اور نور سے مراد حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ کو شاہد و مبشر اور نذیر اور داعی الی اللہ تعالیٰ اور سراجِ منیر بنا کر بھیجا ہے''، اور ''منیر'' روشن کرنے والے اور نور دینے والے کو کہتے ہیں، پس اگر انسانوں میں سے کسی کو روشن کرنا محال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک کے لیے یہ امر میسر نہ

ہوتا، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک بھی جملہ اولاد آدم علیہ السلام سے ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات پاک کو ایسا مطہر فرمالیا کہ نور خالص ہو گئے، اور حق تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نور فرمایا، اور تواتر سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سایہ نہ رکھتے تھے، اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں"۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں:

۱۔ آیت کریمہ قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ۔ (سورۃ المائدہ: آیت ۱۵) میں نور سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ پاک مراد ہے۔

۲۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سراج منیر ہیں اور منیر روشن کرنے والے اور نور دینے والے کو کہتے ہیں۔

۳۔ بشری جسم سے عنصری اور مادّی کثافتوں کا دُور ہو جانا محال نہیں بلکہ واقع ہے۔

۴۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذاتِ پاک کو ایسا مطہر فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نور خالص ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے حضور کو نور فرمایا۔

۵۔ بشریت اور نورانیت کا جمع ہونا ممکن ہے۔

۶۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ پاک کا سایہ نہ تھا۔

۷۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اقدس کا سایہ نہ ہونا تواتر سے ثابت ہے۔

۸۔ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔

۹۔ لفظ نور اور منیر سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جو نورانیت مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے ثابت کی ہے وہ محض ہدایت کی نورانیت نہیں بلکہ حسّی اور جسمانی نورانیت ہے۔ کیونکہ حضور کی نورانیت کو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے حضور کے سایہ نہ ہونے کی علّت قرار دیا ہے اور صاف صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ حضور کا سایہ نہ تھا اور نور کے سوا ہر جسم کا سایہ ہوتا ہے۔ تو جب تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جسمانی نورانیت ثابت نہ ہو جسمِ اقدس سے سایہ کی نفی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ قرآن کریم کی دونوں آیتیں قد

جاء کم من اللہ نور اور سراجاً منیرا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسمانی اور حسّی نور ہونے کی دلیل ہیں، اور یہ دونوں آیتیں بہ بانگِ دہل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس سے تاریک سائے کی نفی کر رہی ہیں۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھ عقیدت رکھنے والے احناف اہلِ سنت ان دونوں آیتوں سے اپنے مسلک پر استدلال کرنے میں اگر معاذ اللہ گمراہ اور بے دین ہیں تو مولوی رشید احمد گنگوہی اس گمراہی اور بے دینی سے کس طرح بچ سکتے ہیں۔

منکرین پر سخت حیرت ہے کہ جس مسلک کو وہ کفر ضلالت قرار دیتے ہیں اور اس کے قائلین کو جہنم تک پہنچائے بغیر دَم نہیں لیتے اگر وہی مسلک ان کے اکابر پیش کر دیں تو وہ ان سے کوئی تعرض نہیں کرتے، محض اس لیے کہ وہ ان کے مقتدا اور پیشوا ہیں۔ میں نہایت اخلاص کے ساتھ ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ خدا کے خوف کو دل میں جگہ دے کر ذرا سوچئے کہ آپ کا یہ طرزِ عمل اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ کی عملی تفسیر نہیں تو اور کیا ہے؟

ماہنامہ تجلی دیوبند نے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا ایک فتویٰ فتاویٰ رشیدیہ سے نقل کیا ہے، جس میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی حدیث سے لاعلمی کا اظہار فرمایا ہے، اس کی بابت عرض ہے کہ:

اگر آپ اس فتوے کو ہماری پیش کردہ عبارت کے معارض سمجھتے ہیں تو اس حیثیت سے کہ وہ آپ کے مقتدا ہیں، ان کے کلام میں رفعِ تناقض آپ ہی ذمہ ہے، جس طرح چاہیں اس تعارض کو دفع فرمائیں، اظہار لاعلمی کو سوء حافظہ پر مبنی قرار دیں یا لکی لا یعلم بعد علمٍ شیئا پر محمول کریں۔

لیکن اس حقیقت سے آپ انکار نہیں کر سکتے کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے اپنی کتاب ''امداد السلوک'' میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کو تواتر سے ثابت مانا ہے، اَب آپ کے لیے دو ہی صورتیں ہیں، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو مولانا احمد رضا خاں

صاحب بریلوی کے ہم پایہ مجرم قرار دیں یا مولانا احمد رضا خاں صاحب کو بھی کم از کم اس مسئلے میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی طرح بے گناہ مان لیں ورنہ ظاہر ہے کہ آپ کی حق پسندی کا راز طشت از بام ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس تمام بحث و تمحیص کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم اقدس کو ایسا لطیف ونظیف اور نورانی مانتے ہیں کہ اس کا تاریک سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا، اس کے برخلاف منکرین کا مسلک یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا جسم مبارک عام انسانوں کی طرح معاذ اللہ ایسا کثیف تھا کہ اس کا تاریک سایہ پڑتا تھا۔

محلِ نزاع کے بے تعین کے بعد ہم چاہتے ہیں کہ اپنے مسلک کی تائید میں ایک جامع بیان پیش کر دیں تا کہ ناظرین کرام کو معلوم ہو جائے کہ جس مسلک کو لوگ غلط اور فاسد کہہ رہے ہیں اس کے ساتھ اُمت مسلمہ کے کیسے کیسے جلیل القدر علما، محدثین وفقہائے کرام وابستہ ہیں۔ فاقول وبه التوفیق، علیه توکلت والیه أُنیب۔

اہلِ سنت کا مذہب ہے کہ حضور نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا جسم اقدس اتنا لطیف ہے کہ اس میں کسی قسم کی جسمانی، عنصری اور مادی کثافت نہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نور ہیں جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں اللھم اجعلنی نوراً کے چمکتے ہوئے الفاظ وارد ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے مسلم، جلد اوّل، ص ۲۶۱، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ۔

اس مقام پر یہ شبہ وارد نہیں ہو سکتا کہ اس دُعا سے پہلے حضور کی ذاتِ پاک نور نہ تھی ورنہ دُعا کی حاجت نہ ہوتی کیونکہ دعا کرنے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ دُعا سے پہلے و صفت نہ ہو جس کے لیے دُعا کی گئی ہے۔ دیکھیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تمام عمر ہر نماز میں اھدنا الصراط المستقیم کی دُعا فرماتے رہے، تو کیا کسی مسلمان کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ معاذ اللہ دُعا سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صراط مستقیم پر نہ تھے؟ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ! بلکہ اس مقام پر یوں کہنا پڑے گا کہ کسی نعمت کے لیے دُعا کرنا بسا اوقات اس کے ثابت و باقی رہنے کے لیے ہوتا ہے یا اس نعمت کی ترقی مقصود ہوتی ہے یا اعترافِ عبدیت کے لیے دُعا کی جاتی ہے۔ اس کے ماسوئی دُعا کی حکمت تعلیم اُمت بھی ہو سکتی ہے، علاو

ازیں جن الفاظ میں حضور علیہ السلام نے دُعا فرمائی وہ ایسے بابرکت ہو گئے کہ اُمت جب ان الفاظ میں دُعا کرے گی تو وہ۔ دُعا حضور علیہ السلام کے بولے ہوئے الفاظ کی برکت کے طفیل اقرب الی الاجابت ہوگی اور اُمت کے حق میں وہ دُعا جس رنگ میں قبول ہو سکتی ہے ضرور قبول ہوگی کیونکہ اس کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بولے ہوئے الفاظ ہیں، انہیں خالی واپس کرنا اللہ تعالیٰ کو گوارا نہ ہوگا۔

حاصل کلام یہ کہ جب حضور علیہ السلام کی دُعا سے حضور کی ذات پاک کا نور ہونا ثابت ہو گیا تو جسم اقدس کا سایہ نہ ہونا بھی لازمی طور پر ثابت ہو گیا، کیونکہ سایہ نہ ہونا لوازمِ نور سے ہے اور قاعدہ ہے اذا ثبت الشئی ثبت بجمیع لوازمہٖ، لہٰذا نورانیت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے لازم کے ساتھ ثابت ہوگی اور نورانیت کا لازم "سایہ نہ ہونا ہے" لہٰذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہونا حضور کے سایہ نہ ہونے کی روشن دلیل ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

جب بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو منکرین صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہاں علم وہدایت کا نور مراد ہے، جسمانی نور سے کیا تعلق؟ پھر اِن آیات سے معارضہ کرتے ہیں جن میں علم وہدایت، قرآن وتورات اور اسلام وایمان کو نور کہا گیا ہے۔

جواباً عرض ہے کہ علم وہدایت کی نورانیت تو حسبِ مراتب ودرجات ہر اہلِ علم اور ہدایت یافتہ شخص کو حاصل ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس تمام عالم سے بلند وبالا اور افضل واعلیٰ ہے، اس لیے حضور علیہ السلام کی ذاتِ مقدسہ اور کمالاتِ مبارکہ کو عوام کی ذات وصفات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ حضور علیہ السام کو جو صفت ملی ہے وہ دوسروں کی نسبت اکمل واتم ہے۔ اسی طرح عین کا قیاس معنی پر اور وصف کا قیاس ذات پر قیاس مع الفارق ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نور از قبیل معانی بھی ہوتا ہے اور از قبیل اعیان بھی۔

اوّل، جیسے قرآن، ایمان، علم، ہدایت وغیرہ امور جو از قبیل معانی ہیں۔

دوم، جیسے چاند، سورج وغیرہ کہ یہ از قبیل اعیان ہیں۔

جو چیزیں ذات اور عین نہیں بلکہ محض معنی اور صفت کے قبیل سے ہیں، ان کے لیے

جب لفظ نور بولا جائے گا، تو اس کے معنی اس چیز کے حسب حال ہوں گے، یعنی وصفی اور معنوی نورانیت، اور جو چیزیں ''عین اور معنی'' ذات اور صفت سب کی جامع ہوں گی، ان کے لیے جب لفظ نور کا اطلاق ہوگا تو اس سے وہی نورانیت مراد ہوگی جو ان چیزوں کے حسب حال اور شایانِ شان ہے، یعنی عین اور معنی دونوں قسم کی جامع نورانیت، لہٰذا قرآن و توراۃ، اسلام وایمان، علم وہدایت، ان سب چیزوں کے لیے جو لفظ نور قرآن وحدیث میں وارد ہوا ہے اس سے وصفی اور معنوی نورانیت کے معنی مرادِ ہوں گے، کیونکہ یہ سب چیزیں ازقبیل اوصاف ومعانی ہیں، اور ظاہر ہے کہ معنی کا عین، اور وصف کا ذات ہونا محال ہے۔ ہاں! ایسی چیز جو ''ذات و وصف'' دونوں کی حامل اور ''عین ومعنی'' دونوں کی جامع ہو، اس کی نورانیت بھی ہر دو قسم کی نورانیت کی جامع ہوگی۔ **(الا اذاقام الدلیل علی خلافه)**

چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ذات اور وصف دونوں کے جامع ہیں، عین اور معنی دونوں چیزیں علیٰ وجہ الکمال حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ پاک میں پائی جاتی ہیں، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جو لفظ قرآن وحدیث میں وارد ہوا ہے، اس سے مراد وہی نور ہوسکتا ہے جو عینی و معنوی، ذاتی ووصفی ہر قسم کی نورانیت کا جامع ہو، جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسلام وایمان، ہدایت وقرآن، علم وعرفان تمام انوار معانی واوصاف کے حامل ہیں، اور اس کے علاوہ جملہ انوار اعیان یعنی ذات وعین کے قبیل سے جس قدر نور ہیں ان سب کے بھی حضور جامع ہیں، اس تفصیل کو ذہن نشین کر لینے کے بعد ہر شخص سمجھ جائے گا کہ منکرین کا معارضہ قطعاً باطل ہے۔

یہ جامع نورانیت جو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ثابت کی ہے اس کی تائید مزید دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے اور اکابر علمائے دین، محدثین ومحققین کرام کی واضح عبارات بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے اسی قسم کی جامع نورانیت کی مثبت ہیں جن میں حضور کی جسمانی نورانیت کا روشن بیان ہے، اور یہ تصریح موجود ہے کہ حضور نور تھے اس لیے آپ کا سایہ نہ تھا، علاوہ ازیں منکرین کے پیشواؤں اور مقتداؤں کی تحریریں بھی اس کی مثبت ومؤید ہیں، اس سے ہمیں بحث نہیں کہ ان کا اعتقاد کیا ہے؟ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنا جیسا بشر مانتے ہیں یا اس

میں کچھ تبدیلی کرنے لگے ہیں، لیکن اس میں شک نہیں کہ ان کی واضح تحریریں ہمارے بیان کی زبردست تائید کرتی ہیں، جیسا کہ امداد السلوک ص ۸۵، ۸۶ سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا بیان ہم نقل کر چکے ہیں اور ان شاء اللہ آئندہ بھی نشر الطیب وغیرہ کے اقتباسات ہدیہ ناظرین کریں گے۔

پہلے ہم اِن احادیث کا ذکر کرتے ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسّی عینی اور جسمانی نورانیت ثابت ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۱: عن الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال سألت خالی هند بن ابی هالة (ربیب النبی ﷺ) و کان وصافاً عن حلیة النبی ﷺ وانا اشتهی ان یصف لی منها شیئاً اتعلق به فقال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم فخما مفخماً یتلالؤ وجهه تلالؤ القمر لیلة البدر۔
(شمائل ترمذی، ص ۲)

ترجمہ: سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ربیب ہند بن ابی ہالہ سے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہترین وصاف تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارکہ دریافت کیا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ وہ حلیہ مقدسہ سے کچھ بیان کریں اور میں اس سے پوری طرح متعارف ہو جاؤں، تو انہوں نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عظیم اور معظم تھے، آپ کا چہرۂ انور ایسا چمکتا اور روشنی دیتا تھا جیسے چودھویں رات میں چاند چمکتا ہے۔ اسی حدیث میں آگے چل کر فرماتے ہیں "لهٗ نورٌ یعلوهٗ"، حضور کی بینی مبارک کا نور بینی مبارک پر یا آپ کی ذاتِ مقدسہ کا نور ذاتِ پاک پر غالب رہتا۔

اسی حدیث کی شرح میں علامہ شیخ ابراہیم بن محمد بیجوری شافعی مصری فرماتے ہیں:

ومعنی یتلالؤ یضئُ ویشرق کاللولؤ وقوله تلالؤ القمر

لیلة البدر ای مثل تلالؤ القمر لیلة البدر (انتھی)

(شرح شمائل، مطبوعہ مصر، ص ۲۳)

ترجمہ: یتلالؤ کے معنی روشن ہونے اور چمکنے کے ہیں جیسے موتی چمکتا ہے اور تلالؤ القمر لیلة البدر کے معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرۂ انور اس طرح چمکتا تھا جیسے چودھویں رات میں چاند چمکتا ہے۔

حدیث نمبر ۲۔ عن جابر بن سمرة قال رأیت رسول اللہ ﷺ فی لیلة اضحیان، وعلیه حلة حمراء فجعلت انظر الیه والی القمر فلھو عندی احسن من القمر۔

(شمائل ترمذی، ص ۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ چاندنی رات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ پر سرخ رنگ کا (دھاری دار) حلہ تھا، میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی دیکھتا اور چاند پر بھی نظر کرتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین تھے۔

علامہ شیخ ابراہیم بیجوری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

"وفی روایة فی عینی بدل عندی والتقیید بالعندیة فی الروایة الاولی لیس للتخصیص فان ذلك عند کل احدٍ راٰہ کذالك"۔

(المواھب اللدنیه علی الشمائل المحمدیه، مطبوعہ مصر، ص ۳۰)

ترجمہ: ایک اور روایت میں "عندی" کی بجائے "فی عینی" آیا ہے اور روایتِ اولیٰ میں "عندی" کی قید تخصیص کے لیے نہیں ہے، یعنی یہ مطلب نہیں کہ میرے ہی نزدیک حضور چاند سے زیادہ حسین تھے بلکہ فی الواقع ہر دیکھنے والے کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چاند سے زیادہ حسین تھے۔

اس کے بعد علامہ بیجوری علیہ الرحمہ اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وانما کان ﷺ احسن لان ضوءہٗ یغلب علی ضوء القمر، بل وعلی ضوء الشمس، ففی روایۃ لابن المبارك وابن الجوزی لم یُکن لہٗ ظل، ولم یقم مع شمس قط الا غلب ضوؤہٗ علی ضوء الشمس، ولم یقم مع سراج قط الا غلب ضوؤہٗ علی ضوء السراج"۔ انتھی

ترجمہ: اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاند سے زیادہ حسین اس لیے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشنی چاند کی روشنی بلکہ سورج کی روشنی پر غالب رہتی تھی، کیونکہ سیدنا ابن مبارک اور علامہ ابن جوزی محدّث کی روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورج کے سامنے کبھی کھڑے نہیں ہوئے مگر حضور کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب ہو جاتی تھی، اسی طرح چراغ کے سامنے بھی حضور کبھی کھڑے نہیں ہوئے مگر چراغ کی روشنی پر بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشنی غالب رہتی تھی۔

حدیث نمبر ۳: "عن ابی اسحاق قال سال رجل البراءَ بن عازب اکان وجہ رسول اللہ ﷺ مثل السیف؟ قال: لا، بل مثل القمر"۔

(بخاری شریف، ج۱،ص ۵۰۲۔ شمائل ترمذی، ص ۳)

ترجمہ: ابو اسحاق سے روایت ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ تلوار کی طرح تھا؟ انہوں نے فرمایا نہیں بلکہ چاند کی طرح تھا۔

اس حدیث کے تحت حضرت شیخ ابراہیم بیجوری فرماتے ہیں:

"قولہ (اکان وجہ رسول اللہ ﷺ مثل السیف) أی: فی الاستنارۃ والاستطالۃ. فالسؤال عنہما معاً۔ قولہ: (قال: لا، بل مثل القمر) أی: لیس مثل السیف فی

الاستنارة والاستطالة، بل مثل القمر المستدير، الذی هو أمن السیف"۔

(مواہب اللدنیہ شرح شمائل المحمدیہ، مطبوعہ مصر، ص ۳۰)

ترجمہ: یعنی "کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور روشنی اور لمبائی میں تلوار کی طرح تھا؟" اس کلام میں روشنی اور لمبائی دونوں کے متعلق سوال ہے۔ حضرت براء بن عازب نے دونوں باتوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ چہرۂ انور روشنی اور لمبائی میں تلوار کی طرح نہ تھا بلکہ گول چاند کی طرح نورانی تھا جو تلوار سے کہیں زیادہ انور اور روشن ہے۔ انتہیٰ۔

حدیث نمبر ۴: "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان رسول اللہ ﷺ افلج الثنیتین، اذا تکلم روی کالنور یخرج من بین ثنایاہ"۔

(شمائلِ ترمذی، ص ۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبارک دانتوں کے درمیان کشادگی والے تھے، یعنی دندان مبارک کے درمیان جھریاں تھیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرماتے تو دندانِ مبارک کے درمیان جھریوں سے نور یا نور کی مانند کوئی چمکدار چیز نکلتی ہوئی دیکھی جاتی تھی۔ انتہیٰ

حضرت شیخ ابراہیم بن محمد بیجوری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

" أیْ رُئی شیء له صفاء، یلمع کالنور، یخرج من بین ثنایاہ۔ ویحتمل أن الکاف زائدۃ للتفخیم ویکون الخارج حینئذ نوراً حسیاً معجزۃ له ﷺ" (انتہیٰ)

(مواہب اللدنیہ شرح شمائل المحمدیۃ، ص ۳۴)

ترجمہ: حدیث کے معنی یہ ہیں کہ نور کی طرح صاف شفاف چیز چمکتی ہوئی

دیکھی جاتی تھی جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی دانتوں کے درمیان سے نکلتی تھی، اور یہاں یہ احتمال بھی ہے "کالنور" میں کاف زایدہ ہو، تفخیم کے لیے بڑھا دیا گیا ہو، اس تقدیر پر نور حسّی تھا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دندانِ مبارک کے درمیان سے بطور ظہور معجزہ چمکتا تھا۔ انتہیٰ۔

حدیث نمبر ۵: "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها انّ رسول الله ﷺ دخل علیها مسرورا تبرق اساریر وجهه"

(بخاری شریف، ج، اوّل، ص ۵۰۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خوش اور مسرور ہو کر میرے پاس تشریف لائے درآنحالیکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی اقدس کے خطوط چمک رہے تھے۔

حدیث نمبر ۶: "عن کعب بن مالك قال فلما سلمت علی رسول الله ﷺ وهو یبرق وجهه من السرور وکان رسول الله ﷺ اذا سُرَّ استنار وجهه کانّه قطعةٌ من القمر"۔

(بخاری شریف، ج، اوّل، ص ۵۰۲)

ترجمہ: کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر سلام عرض کیا تو چہرۂ انور فرحت وسرور سے چمک رہا تھا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب خوش ہوتے تھے تو چہرۂ انور ایسا چمکنے لگتا تھا گویا کہ وہ چاند کا ٹکڑا ہے۔

فتح الباری وغیرہ شروح بخاری اُٹھا کر دیکھیے تمام شُراح کرام ان احادیث سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی حسّی نور کو ثابت مان رہے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ ایسی چمکتی ہوئی روشن حدیثوں کے ہوتے ہوئے کوئی ایسا شخص جس کے دل میں نورِ ایمان کی ادنیٰ جھلک بھی موجود ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جسمانیت مقدسہ کے لیے نورِ حسّی کا انکار نہیں کر سکتا، اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس نورانیت کا مقتضیٰ سایہ نہ ہونا ہے، اسی محدثین کرام نے

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور ہونے کو حضور کے سایہ نہ ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔

لیجیے حضور کی نورانیت مقدسہ پر چند اور حدیثیں یاد آ گئیں، جن کو سن کر مومنین کے دل انوارِ ایمان سے چمک اُٹھیں گے۔

مواہب اللدنیہ میں امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقال ابو هريرة وَاذا ضحك ﷺ يتلأ لأفى الجدر. رواه البزار والبيهقى، أى يضئ فى الجدر. بضم الجيم والدال، جمع جدارٍ وهو الحائط. أئ يشرق نورهٗ عليها اشراقا كاشراق الشمس عليها". انتهى.

(مواہب اللدنیہ، جلد اوّل، ص ۲۷۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جب ہنستے تھے تو حضور کا نور دیواروں پر چمکتا تھا۔ اس حدیث کو امام بزار اور بیہقی نے روایت کیا۔ امام قسطلانی حدیث کے معنی بیان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا نور دیواروں پر ایسا چمکتا اور روشن ہوتا تھا جیسے سورج کی روشنی دیواروں پر پڑتی ہے اور چمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ انتہیٰ۔

خصائص کبریٰ میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں کپڑا سی رہی تھی، ہاتھ سے سوئی گر پڑی، چراغ گل ہونے کی وجہ سے اندھیرا تھا، اس لیے تلاش کرنے کے باوجود نہ ملی، اتنے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آئے، حضور کے چہرۂ انور سے ایسا نور نکلا کہ سوئی ظاہر ہوگئی۔

مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات میں علامہ ابن سبع سے منقول ہے "كان النبى ﷺ يضئ البيت الظلم من نورهٖ" تاریک گھر حضور کے نور سے روشن ہو جاتا تھا۔

یہ حدیثیں کتب احادیث وسیر میں اتنی کثرت سے موجود ہیں کہ ان کا احصاء ممکن نہیں، ان کے بعد بھی اگر کوئی شخص حضور کو نور حقیقی نہیں مانتا تو سمجھ لیجیے کہ وہ نورِ ایمان بالکل خالی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

ان روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جو برق، تلالؤ، استنارہ اور نور وغیرہ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، ان سے محض رنگ کی صفائی اور حسن و جمال کا بیان مقصود ہے۔ اسی طرح قطعۃٌ من القمر یا مثل القمر سے بھی محض خوب صورتی کا اظہار مقصود ہے، حسّی روشنی اور چمک کے معنی مراد نہیں، شعرائے عرب بلکہ ہر زبان کے اُدباء اپنے محبوبوں کے حسن و جمال کا تذکرہ اسی قسم کے الفاظ میں کیا کرتے ہیں اور ان کے ظاہری معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ وہ الفاظ از قبیل استعارات مانے جاتے ہیں۔ اسی قسم کے استعارات ان روایات واحادیث میں بھی وارد ہیں۔

جواباً عرض کروں گا کہ بدعقیدگی اور گمراہی کی اصل بنیاد یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علمۃ الناس کے زمرے میں شمار کرلیا جائے، معاذ اللہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال کی نفی کرنے کے لیے حضور کا قیاس اپنے اوپر کرلینا اہلِ سنت کے نزدیک بدترین جہالت ہے۔

معمولی سمجھ والا انسان بھی اتنی بات سمجھ سکتا ہے کہ اگر صرف رَاَیْتُ اَسَدًا کہا جائے تو لفظ اسد رجل شجاع سے استعارہ ہو سکے گا، لیکن جب کوئی رَاَیْتُ اَسَدًا یَفْتَرِسُ کہے تو پھر "اسد" سے حیوانِ مفترس ہی مراد ہوگا اور اسے بہادر آدمی کے لیے استعارہ قرار دینا درست نہ ہوگا۔

ہماری پیش کردہ احادیث میں بھی ایسے الفاظ موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے معترض کا استعارہ صحیح نہیں ہوتا، دیکھیے:

(۱) دندان ہائے مبارک کے درمیان سے نور نکلتا ہوا دیکھا جانا۔

(۲) بینی اقدس کے نور کا بینیٔ مبارک پر غالب ہوتا ہوا معلوم ہونا۔

(۳) پیشانی کے خطوط کی چمک کا مشاہدہ۔

(۴) نورِ اقدس سے دیواروں کا روشن ہوجانا، ایسے امور ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس چمک اور نور کے حسّی اور جسمانی ہونے کو اس وضاحت کے ساتھ متعین کررہے ہیں جس کے بعد معترض کے استعارہ کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔

پھر اجلہ شارحینِ حدیث مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی، امام بدر الدین عینی، امام شہاب الدین قسطلانی، علامہ عبدالباقی زرقانی، شیخ ابراہیم بیجوری علیہم الرحمۃ والرضوان کا ان احادیث کی شرح میں یضئ، یشرق، یبرق، یلمع جیسے چمکتے ہوئے الفاظ ارقام فرمانا حقیقت کو اور واضح کر رہا ہے۔ اس پر بھی آپ مطمئن نہ ہوں تو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی خصائص کبریٰ دیکھ لیجیے۔ انہوں نے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا ایک مستقل باب منعقد کیا اور فرمایا:

اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یریٰ لہ ظلٌ فی شمس ولا قمرٍ قال بن سبع من خصائصہ ﷺ انّ ظلہٗ کان لا یقع علی الارض وانہٗ کان نورا فکان اذا مشیٰ فی الشمس او القمر لا ینظر لہٗ ظلٌ قال بعضھم ویشھد لہٗ حدیث قولہ ﷺ فی دُعائہٖ "واجعلنی نوراً۔

(خصائص کبریٰ، جلد ۱، ص ۶۸)

ترجمہ: حکیم ترمذی نے حضرت ذکوان سے اخراج کیا کہ سورج اور چاند کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ دیکھا جاتا تھا۔ ابن سبع (محدّث) نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے یہ بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا، اور یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور تھے، اس لیے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نظر نہ آتا تھا، بعض علما (محدّثین) نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی شہادت حضور کی یہ حدیث بھی دیتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دُعا وارد ہے کہ: "واجعلنی نوراً" یا اللہ مجھے نور کر دے۔

دیکھیے محدثین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث "واجعلنی نوراً" سے حضور کے نور ہونے پر استدلال کیا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ایسی نورانیت ثابت کی جو حضور

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی دلیل ہو، اور وہ حدیثِ ذکوان کے لیے شاہد قرار پائے۔

اسی طرح زرقانی شریف میں ہے:

"(ولم یکن له ﷺ ظلٌّ فی شمس ولا قمر) لانه کان نورًا کما قال ابن سبع وقال رزین لغلبة انوارہ قیل وحکمة ذلك صیانته عن ان یطأ کافرٌ علیٰ ظلّه"۔

ترجمہ: اور نہ تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے سایہ سورج میں اور نہ چاند میں، اس لیے کہ حضور نور تھے جیسا کہ ابن سبع (محدّث) نے کہا اور امام رزین نے فرمایا کہ سایہ نہ ہونا حضور کے غلبۂ انوار کی وجہ سے تھا۔ بعض علما نے کہا کہ اس کی حکمت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات سے بچانا ہے کہ کسی کافر کا پاؤں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سایہ پر پڑے"۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:

"(رواہ الترمذی الحکیم عن ذکوان) ابی صالح السمان الزیات المدنی اَوْ ابی عمر المدنی مولیٰ عائشة رضی الله تعالیٰ عنهما وکل منهما ثقةٌ من التابعین فهو مرسلٌ لکن روی ابن المبارك وابن الجوزی عن ابن عباس لم یکن للنبی ﷺ ظلٌّ ولم یرم مع الشمس قط الا غلب ضوءہ ضوءَ الشمس ولم یقم مع سراج قط الا غلب ضوءَ السراج (وقال ابن سبع کان ﷺ نورًا فکان اذا مشیٰ فی الشمس او القمر لا یظهر له ظلٌّ) لان النور لا ظل له (قال غیرہ ویشهد له قوله ﷺ فی دعائه) لما سأل الله تعالیٰ ان یجعل فی جمیع اعضائه و جهاته ختم بقوله (واجعلنی نورًا) ای والنور لا ظل له وبه یتم الاستشهاد"۔ انتهی

(زرقانی، مطبوعہ مصر، جلد ۴، ص ۲۲۰)

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سایہ نہ ہونے کی اس حدیث کو ترمذی حکیم نے ذکوان سے روایت کیا۔ یہ ذکوان ابوصالح سمان روغن فروش مدنی ہیں یا ابوعمر مدنی جو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں (ان میں سے کوئی ہو بہ ہر حال) یہ دونوں ثقہ ہیں تابعین سے، لہٰذا حدیث مرسل ہوگی (کیونکہ اس میں صحابی کا ذکر نہیں) لیکن حضرت ابن مبارک اور علامہ جوزی نے حضرت ابن عباس (صحابی) رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سورج کے سامنے کبھی نہ کھڑے ہوئے لیکن حضور کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب ہوجاتی تھی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی چراغ کے سامنے کھڑے نہ ہوتے مگر حضور کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب ہوجاتی تھی، اور ابن سبع (محدث) نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور تھے اس لیے حضور جب سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو حضور کا سایہ ظاہر نہ ہوتا تھا، کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا، اور ان کے علاوہ دوسرے علما محدثین نے فرمایا کہ گواہی دیتا ہے حضور کے سایہ نہ ہونے پر حضور کا وہ قول مبارک جو حضور کی دُعا میں ہے، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اعضا میں اور جمیع جہات میں نور کردے، تو حضور نے اپنی اس دُعا کو اس قول پر ختم فرمایا "وَاجْعَلْنِيْ نُوْرًا" یعنی مجھے بالکل نور کر دے۔ یہ جملہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے پر اس لیے شہادت دیتا ہے کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا اور اسی کے ساتھ یہ استشہاد تمام اور پورا ہوجاتا ہے۔

بالکل یہی عبارت زرقانی، جلد ۵، ص ۲۴۹ پر ہے، اور اس میں اس مضمون کے بعد ابن سبع کی کتاب "شفاء الصدور" سے مزید اتنا کلام نقل کیا "لم یکن فیه قمل لانه نور" یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لباسِ مبارک میں جوں بھی اس لیے نہ پڑتی تھی کہ حضور نور تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا یہی مضمون امام قسطلانی شارح صحیح بخاری نے

مواہب اللدنیہ میں بھی نہایت اہتمام کے ساتھ ارقام فرمایا، ملاحظہ فرمایئے مواہب اللدنیہ، جلد ا، ص ۲۸۰، اور مفردات امام راغب میں ہے:

"وَرَوی اَنَّ النبی ﷺ کان اذا مشیٰ لم یکن لہٗ ظلٌّ"۔

(مفردات امام راغب اصفہانی، مطبوعہ مصر، ص ۳۱۷)

ترجمہ: مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلتے تو حضور کا سایہ نہ ہوتا۔

حکیم ترمذی اور ان کی کتاب نوادر الاصول کے متعلق کشف الظنون میں مرقوم ہے:

"نوادر الاصول فی معرفة اخبار الرسول، الابی عبداللہ بن محمد بن علی بن حسن بن بشیر المؤذن الحکیم الترمذی المتوفی شھیدا ۲۵۵ھ○ خمس و خمسین و مائتین ...وھو المقلب بسلوة العارفین وبستان الموحدین"۔

(کشف الظنون، جلد ۲، ص ۶۱۵، مطبوعہ مصر)

ترجمہ: نوادر الاصول فی معرفة اخبار الرسول، ابوعبداللہ بن محمد بن علی بن حسن بن بشیر (بشر) مؤذن حکیم ترمذی کی کتاب ہے جو ۲۵۵ھ میں فوت ہوئے جن کا لقب سلوة العارفین اور بستان الموحدین ہے۔

امام المحدثین قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفاء شریف میں ارقام فرماتے ہیں:

"وَمَا ذُکِرَ مِنْ اِنَّهٗ لَا ظِلَّ لِشَخْصِهٖ فِیْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ لِاَنَّهٗ کَانَ نُوْرًا"

(الشفاء قاضی عیاض، جلد ا، ص ۲۴۲، ۲۴۳)

اس کی شرح میں علامہ شہاب الدین خفاجی، نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

"(و) من دلائل نبوته ﷺ (ما ذُکِرَ) بالبناء للمجهول والذی ذکرہ ابن سبع (من انه) بیان موصولة (لا ظل لشخصه) أی لجسده الشریف اللطیف اذا کان (فی شمس ولا قمر) مما تری فیه الظلال لحجب الأجسام ضوء النیرین ونحوهما، وعلل ذلك ابن سبع بقوله: (لأنه) ﷺ (کان نورًا) والأنوار

شفافة لطيفة لا تحجب غيرها من الانور، فلا ظل لها كما هو مشاهد في الانوار الحقيقة، وهذا رواه صاحب الوفاء عن ابن عباس، رضی الله تعالیٰ عنهما، قال: لم یکن لرسول الله ﷺ ظل ولم یقم مع شمس الا غلب ضوئوه ضوئها، ولا مع سراج الا غلب ضوئوه، وقد تقدم هذا والکلام علیه ورباعیتنا فیه وهی:

ماجرلظل أحمد اذیال
في الارض کرامة کما قد قالوا
هذا عجب و کم به من عجب
والناس بظله جمیعًاقالوا

وقالوا: هذا من القیلولة، وقد نطق القرآن بأنه النور المبین و کونه بشرًا لا ینافیه کما توهم، فان فهمت فهو نور علی نور، فان النور هو بنفسه المظهر لغیره، وتفصیله فی مشکاة الأنوار للغزالی"۔

(نسیم الریاض، جز ۴، ص ۳۱۹، مطبوعہ مصر)
(نسیم الریاض، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ، ج ۴، ص ۳۳۵)

ترجمہ: اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دلائلِ نبوت سے جو کچھ ذکر کیا گیا یعنی محدّث ابن سبع نے ذکر کیا یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تھے تو حضور کے شخص کریم یعنی لطیف جسم مبارک کا سایہ نہ پڑتا تھا۔ ان سایوں میں سے جو روشنی میں اس وجہ سے دیکھے جاتے ہیں کہ اجسام (کثیفہ) چاند سورج وغیرہ کی روشنی کے لیے حاجب ہوجاتے ہیں اور ابن سبع محدّث نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی دلیل یہ بیان کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نور تھے اور شفاف لطیف انوار اپنے غیر کے لیے حاجب نہیں ہوتے

اور انوار کا سایہ نہیں ہوتا، جیسا کہ حسّی حقیقی انوار میں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور اس کو صاحب وفا نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور حضور سورج کی روشنی میں کھڑے نہ ہوتے تھے مگر حضور کی روشنی، سورج کی روشنی پر غالب ہوجاتی تھی، نہ کبھی چراغ کے سامنے کھڑے ہوتے تھے مگر اس کی روشنی پر بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی غالب ہوجاتی تھی، جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا اور اس پر کلام بھی گزر چکا اور ہماری یہ رباعی بھی مذکور ہوچکی کہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ کے دامن حضور کی کرامت وفضیلت کی وجہ سے زمین پر نہ کھینچے گئے (یعنی حضور کا سایہ زمین پر واقع نہ ہوا) جیسا کہ محدثین نے فرمایا ہے۔ یہ بات تعجب کی ہے اور کس قدر تعجب کی ہے کہ زمین پر ان کا سایہ نہ ہونے کے باوجود سب لوگ ان کے سایہ میں پناہ لیتے اور آرام کرتے ہیں، رباعی کے آخری مصرعہ کا اخیری لفظ "قالوا" "قیلولہ" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں دوپہر کو آرام کرنا۔

اور بے شک قرآنِ پاک ناطق ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم "نورِ مبین" ہیں، اور حضور کا بشر ہونا آپ کے نور ہونے کے منافی نہیں جیسا کہ وہم کیا گیا، پس اگر تو سمجھے تو وہ ایسے نور ہیں جو سب نوروں پر غالب ہے، کیونکہ نور اسے کہتے ہیں جو خود ظاہر ہو اور اپنے غیر کو ظاہر کرنے والا ہو، اس کی پوری تفصیل امام غزالی کی کتاب مشکوٰۃ الانوار میں ہے۔

اور سیرتِ حلبیہ میں ہے:

وانہٗ ﷺ اذا مشی فی الشمس أو فی القمر لا یکون لہٗ ظلٌّ لانہٗ کانَ نورًا۔ انتھٰی

(سیرتِ حلبیہ، مطبوعہ مصر، جلد ۲، ص ۴۲۲)

ترجمہ: بے شک! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے

تھے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ نہ ہوتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نور تھے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ انتہیٰ

تفسیر مدارک میں ہے:

''وقال عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان اللہ ما اوقع ظلت علی الارض لئلا یقع انسانٌ قدمہٗ علی ذلك''۔ انتہیٰ۔

(تفسیر مدارک، مطبوعہ مصر، ج ۲، ص ۱۰۳)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا! حضور! اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر نہ گرنے دیا تا کہ کوئی شخص اس پر اپنا پاؤں نہ رکھ دے۔ انتہیٰ۔

تفسیر عزیزی میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وسایہ ایشاں برزمین نیفتاد''۔ انتہیٰ۔

(تفسیر عزیزی، پ ۳۰، ص ۲۱۹)

حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

''وعثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ گفت کہ سایہ شریف تو برزمین نمی افتد کہ مبادا برزمین نجس افتد''۔ انتہیٰ۔

(مدراج النبوۃ، جلد ۲، ص ۱۶۱)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے براءۃ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کہ حضور! آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا کہیں ایسا نہ ہو کہ ناپاک زمین پر واقع ہوجائے، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے سایہ کی اس قدر حفاظت کی تو آپ کے حرم محترم کو ناشائستگی سے کیونکر ملوث ہونے دے گا؟۔ انتہیٰ۔

یہی شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی مدارج النبوۃ میں دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

"ونبود مر آنحضرت را صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سایہ نہ در آفتاب و نہ در قمر رواہ الحکیم الترمذی عن ذکوان فی نوادر الاصول، وعجب استاز یں بزرگاں کہ ذکر نہ کردند چراغ را نور یکے از اسمائے آنحضرت است صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ونور را سایہ نمی باشد"۔ انتہیٰ۔

(مدارج النبوۃ، جلد اوّل)

ترجمہ: اور نہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ سورج میں نہ چاند میں۔ اس کو حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں حضرت ذکوان سے روایت کیا، اور ان بزرگوں سے تعجب ہے کہ (اس موقع پر) انہوں نے چراغ کا ذکر نہ کیا، اور نور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ سے ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ "افضل القریٰ" میں فرماتے ہیں:

"ومما یؤید انہ ﷺ صار نورا انہ کان اذا مشیٰ فی الشمس والقمر لا یظھر لہ ظلٌ لانہ لا یظھر الا للکثیف وھو ﷺ قد خلصہُ اللہ من سائر الکثافات الجسمانیۃ وصیرہٗ نورا صرفا لا یظھر لہ ظلٌ اصلًا"۔ انتھیٰ۔

(افضل القریٰ، مطبوعہ مصر، ص)

ترجمہ: اور جو چیز اس بات کی تائید کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور خالص ہو گئے یہ ہے کہ حضور علیہ السلام جب سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ ظاہر نہ ہوتا تھا کیونکہ سایہ صرف جسمِ کثیف کا ظاہر ہوتا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام جسمانی کثافتوں سے خالص کر کے ایسا نور محض بنا لیا تھا جس کا سایہ اصلاً ظاہر نہ ہوتا تھا۔ انتہیٰ۔

مجمع بحار الانوار (علامہ طاہر پٹنی) میں ہے:

"من اسمائہ ﷺ النور قیل من خصائصہ ﷺ انہ اذا مشیٰ فی الارض فی الشمس والقمر لا یظھر لہ ظل"۔ انتھیٰ۔

(مجمع بحار الانوار، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ، جلد سوم، ص ۲۰۴)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ سے ایک اسم پاک "النور" ہے، کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے یہ بات تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سورج یا چاند کی روشنی میں زمین پر چلتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ ہوتا تھا۔ انتہیٰ۔

علامہ سلیمان جمل "فتوحاتِ احمدیہ شرح ہمزیہ" میں فرماتے ہیں:

"لم یکن لہٗ ﷺ ظلٌّ فی شمس ولا قمر"۔ انتہیٰ۔

(فتوحاتِ احمدیہ شرح ہمزیہ، مطبوعہ مصر ۱۳۰۳ھ، ص ۵)

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ ہوتا تھا نہ سورج کی روشنی میں نہ چاند کی روشنی میں"۔ انتہیٰ

علامہ حسین بن محمد الدیار البکری کتاب "تاریخ الخمیس" میں فرماتے ہیں:

"لم یقع ظلہٗ علی الارض ولا رؤی لہٗ ظلٌّ فی شمسٍ ولا قمرٍ"۔ انتہیٰ۔

(تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس، ج ۱، النوع الرابع، مطبوعہ بیروت، ص ۲۱۸)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں پڑتا تھا نہ چاندنی میں۔

یہی عبارت "نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی الاطہار" میں ہے۔

عارف کامل حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ العزیز مثنوی شریف دفتر پنجم میں فرماتے ہیں:

چوں فنائش از فقیر پیرایہ شود — او محمد وار بے سایہ شود

درمصرع ثانی اشارہ بمعجزۂ آں سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است کہ آں سرور را سایہ نمی افتاد۔ انتہیٰ۔ (شرح بحر العلوم)

ترجمہ: مصرعۂ ثانی میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ پڑتا تھا۔ انتہیٰ۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"وبکشف صریح معلوم گشتہ است کہ خلقت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ

والتسلیمات ناشی ازیں امکان است کہ بصفات اضافیہ تعلق دارد، نہ امکانیکہ در سائر ممکنات عالم کائن است، ہر چند بدقت نظر صحیفۂ ممکنات عالم را مطالعہ نمودہ می آید، وجود آں سرور آنجا مشہود نمی گردد، بلکہ منشاء خلقت وامکان او علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام در عالم ممکنات نباشد بلکہ فوق ایں عالم باشد ناچار اورا سایہ نبود، ونیز در عالم شہادت سایہ ہر شخص لطیف ترست وچوں لطیف ترے ازوی در عالم نباشد اورا سایہ چہ صورت دارد، علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والتسلیمات"۔ انتہیٰ۔

(مکتوباتِ امام ربانی، جلد سوم، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ، ص ۱۸۷)

ترجمہ: اور کشف صریح سے معلوم ہوا کہ آں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خلقت اس امکان سے ناشی ہے جو صفاتِ اضافیہ سے تعلق رکھتا ہے، نہ اس امکان سے جو تمام عالمِ ممکنات میں ہے، جس قدر بھی دقتِ نظر سے صحیفۂ ممکنات عالم کا مطالعہ کیا جائے آں سرور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وجودِ مبارک وہاں (امکان ممکنات سے متصف ہوکر) ظاہر نہیں ہوتا (حتیٰ کہ) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خلقت وامکان کا منشأ عالمِ ممکنات میں بالکل نہیں پایا جاتا، بلکہ منشأ خلقتِ محمدی اس عالمِ امکان سے بالاتر ہے لہٰذا ناچار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔

نیز عالمِ شہادت میں ہر شخص کا سایہ اس سے لطیف تر ہوتا ہے، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لطیف تر عالم میں کوئی چیز ہو نہیں سکتی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ انتہیٰ۔

اس کے بعد اسی مکتوبات، جلد سوم کے مکتوب "صد وبست ودوم" کے آخر میں فرماتے ہیں:

"ع ممکن چہ بود کہ ظل واجب باشد۔ واجب را تعالیٰ چرا ظل بود موہم تولید مثل است ومنبئ از شائبہ عدم کمال لطافت اصل! ہرگاہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم راز لطافت ظل نبود خدائے محمد را چگونہ ظل باشد"۔ انتہیٰ

(مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، ص ۲۳۷)

ترجمہ: کیسے ممکن ہے؟ کہ واجب کا سایہ ہو، واجب تعالیٰ کے لیے تو سایہ کا ہونا ممکن ہی نہیں، اس لیے کہ سایہ تولید مثل کا وہم پیدا کرتا ہے اور عدم لطافت اصل کا مظہر ہے، جب کمالِ لطافت کی وجہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ تھا تو خدائے محمد کا سایہ کیونکر ہو سکتا ہے؟۔ انتہیٰ۔

حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حسّی حقیقی نورانیت کے ثبوت میں ناظرین کرام ہمارے دلائل پڑھ چکے، اَب ایک چھوٹی سی عبارت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی بھی ملاحظہ فرمالی جائے۔ ان کے عقیدے سے ہمیں بحث نہیں سردست الزاماً علی الخصم ''نشر الطیب'' کی ایک عبارت ہدیہ ناظرین ہے۔

''جب آپ ہنستے تھے تو دیواروں پر چمک پڑتی تھی''۔

(نشر الطیب، ص ۱۶۰)

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ یہ عبارت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حسّی حقیقی نورانیت کی مثبت ہے یا نہیں؟

اگر گنجائش ہوئی تو دیوبند کا فتویٰ حضور علیہ السلام کے سایہ نہ ہونے کے بارے میں فتاویٰ دیوبند سے نقل کیا جائے گا لیکن اہلِ انصاف کو اَب مزید کسی حوالے کی ضرورت نہیں رہی۔ الحمد للہ، حق آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا۔ ہم نے اس بیان میں جن علمائے اُمت اور مصنفین کے اقوال و روایات پیش کیے ہیں اور جن کتابوں سے عبارات نقل کی ہیں ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

علمائے مصنفین

(۱) حکیم ترمذی۔ (۲) حافظ رزین۔ (۳) ابن مبارک۔ (۴) محدّث ابن سبع۔ (۵) علامہ ابراہیم بیجوری۔ (۶) قاضی عیاض۔ (۷) مولانا روم۔ (۸) علامہ حسین بن محمد دیار البکری۔ (۹) محدّث ابن جوزی۔ (۱۰) صاحب سیرت شامی۔ (۱۱) صاحب سیرت حلبیہ۔ (۱۲) امام جلال الدین سیوطی۔ (۱۳) امام راغب اصفہانی۔ (۱۴) علامہ شیخ محمد طاہر پٹنی۔ (۱۵) علامہ شہاب الدین خفاجی۔ (۱۶) امام قسطلانی۔ (۱۷) امام زرقانی مالکی۔

(۱۸) شیخ عبدالحق دہلوی۔ (۱۹) حضرت مجدد الف ثانی۔ (۲۰) علامہ بحر العلوم لکھنوی۔ (۲۱) شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی۔ (۲۲) امام نسفی۔ (۲۳) علامہ سلیمان جمل۔ (۲۴) علامہ ابن حجر مکی۔

ان کے علاوہ دو مولوی مخالفین کے جن میں ایک مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور دوسرے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ہیں۔

اور جن کتابوں سے ہم نے اپنے بیان کے دلائل کو اخذ کیا ہے، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) نوادر الاصول فی بیان اخبار الرسول (۲) سیرۃ حلبیہ (۳) خصائص کبریٰ (۴) مفردات امام راغب (۵) مجمع بحار الانوار (۶) نسیم الریاض (۷) شفاء قاضی عیاض (۸) زرقانی (۹) مدارج النبوۃ (۱۰) مکتوبات امام ربانی (۱۱) تفسیر عزیزی (۱۲) تفسیر مدارک (۱۳) مثنوی شریف (۱۴) شرح بحر العلوم (۱۵) افضل القریٰ (۱۶) مواہب اللدنیہ (۱۷) شمائل ترمذی انموج اللبیب۔۔۔ اور ان کے علاوہ دیگر کتب معتبرہ سے روشن دلائل اخذ کر کے ناظرین کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔

لیجیے ایک نظر دیوبند کا فتویٰ بھی دیکھتے چلیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ نہ تھا۔

سوال نمبر ۱۴۶۴: وہ حدیث کون سی ہے جس میں یہ ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ زمین پر واقع نہیں ہوتا تھا؟

الجواب: امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ زمین پر واقع نہ ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے، اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یری لہ ظل فی شمسٍ ولا قمرٍ الخ اور تواریخ حبیب الہٰ میں مفتی عنایت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ کا بدن نور تھا، اسی وجہ سے آپ کا سایہ نہ تھا۔ مولوی جامی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا سایہ نہ ہونے کا خوب نکتہ لکھا ہے اس قطعہ میں۔

پیغمبرِ ما نداشت سایہ تا شک بدل یقیں نیفتد
یعنی ہر کس کہ پیروِ اوست پیدا ست کہ پا زمیں نیفتد
(عزیز الفتاویٰ، جلد ہشتم، ص ۲۰۲)

ایک شبہ کا جواب

فتاویٰ دیوبند سے فتویٰ منقولہ بالا نقل کرتے وقت ایک دوست نے شبہ وارد کیا کہ میں نے دیوبند ہی کے کسی مجموعۂ فتاویٰ میں اس فتوے کے خلاف فتویٰ دیکھا ہے۔ فقیر نے جواباً عرض کیا کہ ان حضرات کے فتووں کا اختلاف کوئی نئی بات نہیں، نہ ہمیں اس سے کوئی بحث ہے۔ ہم تو صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جن لوگوں نے محض اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس مسئلے کو منسوب کیا وہ اعلیٰ حضرت پر افترا کرتے ہیں۔ دراصل ان کے مقتدا بھی ایسے فتوے دیتے چلے آئے اور انہوں نے اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ واقعی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بدنِ مبارک نور تھا، جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا اور عارف جامی جیسے حضرات کا بھی یہ مسلک ان کے نزدیک مسلّم ہے۔ اَب اگر وہ اس کے خلاف لکھیں تو موردِ الزام وہ خود بنتے ہیں، جس کا جواب ان کے اپنے ذمّے ہے کہ جس بات کو وہ اہلِ حق کا مسلک مان چکے ہیں اس کا انکار کیوں کرتے ہیں ؟

ایک اور اعتراض کا جواب

اس مقام پر ایک یہ اعتراض بھی ہوسکتا ہے کہ اگر واقعی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جسم مبارک نور تھا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث کے کیا معنیٰ ہوں گے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے حجرۂ مبارکہ میں رات کی نماز پڑھتے تھے، چراغ نہ ہونے وجہ سے اندھیرا ہوتا تھا اور حضور علیہ السلام جب سجدہ میں جاتے تو میرے پاؤں کو اپنے مبارک ہاتھ سے دبا دیتے اور میں اپنے پاؤں سکیڑ لیتی تب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سجدہ فرماتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے یا اس قسم کی بعض دیگر روایات سے نورِ اقدس کے وجود کی نفی ہرگز ثابت نہیں ہوتی، بلکہ غایت ما فی الباب نورِ مبارک کے ظہور کی نفی ہوگی اور نفیٔ ظہور، نفیٔ وجود کو مستلزم نہیں۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ نور دو قسم کا ہے حسّی اور

معنوی، دیکھیے علم و اِدراک نور معنوی ہے لیکن جب عدم التفات کا حال طاری ہوتا ہے تو اس وقت نورِ علم کا ظہور نہیں ہوتا، مگر اس کے وجود کی نفی آپ نہیں کر سکتے، کیونکہ تصدیق اور ایمان بھی علم ہے۔ جب مومن مصدق پر نیند، بے ہوشی یا اس کے علاوہ کسی قسم کے عدم التفات از قبیل ذہول وغیرہ کا غلبہ ہوتا ہے تو ظہورِ علم کی نفی ہوگی، وجود کی نفی نہیں ہو سکتی ورنہ علم کی نفی سے تصدیق کی نفی ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ تصدیق کا مقسم ہے اور تصدیق ہی عین ایمان ہے، تو معاذ اللہ ان سب حالتوں میں مومن کے ایمان کی نفی ہوگی حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے۔ پس جس طرح نور معنوی بعض احوال میں ظاہر نہیں ہوتا مگر موجود ہوتا ہے اسی طرح بمقتضائے حکمت ایزدی کسی وقت نور حسّی بھی ظاہر نہ ہو تو اس کا وجود منتفی نہ ہوگا۔ دیکھیے اسی حدیث میں نور اقدس کے عدم ظہور سے دین کے کئی مسئلے پیدا ہو گئے۔ مثلاً اگر نمازی پوری طرح مطمئن ہے تو اندھیرے میں نماز کا جواز ثابت ہوا، پھر یہ کہ نمازی کے سامنے عورت کا جانب قبلہ میں معترض ہونا مفسد صلوٰۃ نہ رہا۔ تیسرے یہ کہ نمازی اگر بحالتِ نماز عورت کے جسم کو ہاتھ لگا دے تو وضو اور نماز دونوں صحیح ہیں، اگر اس وقت حضور کا نور بالقوہ نہ ہو جاتا تو یہ مسائل کیسے مدوّن ہوتے؟ یاد رکھیے حضور کی ادائیں دین ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃٌ حسنۃ**۔ الغرض بر بنائے حکمت جیسے نور معنوی کا عدم ظہور جائز ہے۔ اسی طرح حکمت کے پیش نظر نور حسّی کا عدم ظہور بھی یقیناً جائز اور ممکن ہے مگر اس سے عدم وجود پر استدلال کرنا بے نوری کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟

حرفِ آخر

الحمدللہ! ہم نے نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جسم پاک ایسا نورانی اور لطیف تھا کہ اس کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ نفی سایہ کے بیان سے ہم فارغ ہو گئے البتہ حدیث ذکوان کے متعلق ابھی کچھ عرض کرنا باقی ہے۔ **فاقول وبہ التوفیق**

اس میں شک نہیں کہ حدیث ذکوان ضعیف ہے، لیکن ایسی نہیں کہ بالکل ساقط الاعتبار ہو، چہ جائیکہ اسے موضوع کہا جائے۔ اس لیے اگر یہ حدیث بالکل ساقط الاعتبار یا

موضوع ہوتی تو وہ جلیل القدر ائمہ حدیث جن کی عبارات ہم اپنے بیان میں نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ نقل کر آئے ہیں ہرگز اس روایت کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی تائید میں پیش نہ کرتے۔

اہلِ علم خوب جانتے ہیں کہ جن احادیثِ ضعیفہ کو محدثین نے مجروح کر کے چھوڑ دیا اور کسی معتبر محدث نے ان سے کوئی استدلال نہیں کیا، نہ کسی مسئلہ کی تائید میں انہیں پیش کیا ان سے استدلال کرنا ضرور محلِ نظر ہے۔ لیکن جن احادیثِ ضعیفہ سے اہلِ علم نے استدلال کیا یا انہیں کسی مسئلے کی تائید میں پیش کیا، انہیں علی الاطلاق ساقط الاعتبار قرار دینا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا کیونکہ ایسی صورت میں وہ تمام محدثین اور علمائے اعلام موردِ طعن قرار پائیں گے، جنہوں نے ان احادیث کو کسی مسئلۂ شرعیہ کی دلیل یا اس کا مؤید قرار دیا ہے اور اگر اس بارے میں کوئی شخص ان تمام اجلۂ محدثین کے خلاف اپنے خیال کو صحیح سمجھتا ہے تو یہ اس کی جرأتِ عظیمہ ہے جو اہلِ انصاف کے نزدیک کسی طرح مقبول اور پسندیدہ نہیں ہوسکتی۔

علاوہ ازیں ابواب فضائل و مناقب میں ضعاف کا معتبر ہونا ایک حقیقتِ ثابتہ ہے، جس کا انکار محض تعصب و اعتساف ہے۔

اس کے بعد یہ بھی عرض کر دوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی اصل دلیل ہمارے نزدیک وہ آیاتِ قرآنیہ مرقومہ بالا ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور فرمایا گیا ہے۔ نیز وہ احادیث مذکورۃ الصدر ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہم کامل نورانیت ثابت کر چکے ہیں اور سایہ نہ ہونے کی روایات ان آیات و احادیث کے مضمون کی مؤید ہیں، ایسی صورت میں ان کا ضعف کسی حال میں بھی ہمارے لیے مضر نہیں۔

اگر آپ اعتراض کریں کہ جب حضور علیہ السلام کا سایہ ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو اس کا منکر تمہارے نزدیک خارج از اسلام ہونا چاہیے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری پیش کردہ نصوص چونکہ دوسرے معنی کی بھی محتمل ہیں اس لیے ان کا یہ حکم قطعی نہیں لہٰذا منکر کو ہم خارج از اسلام نہیں کہہ سکتے۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ دوسرا احتمال چونکہ ضعیف ہے اس لیے وہ ہمارے استدلال

سے مانع نہیں ہوسکتا، لہٰذا باب مناقب میں ان سے ہمارا دعویٰ بھی ثابت ہوجائے گا اور عدم قطعیت کی وجہ سے اس کا منکر کافر بھی نہ ہوگا۔

پھر یہ کہ فقہا اور اہلِ علم جس حدیث ضعیف سے کسی مسئلے پر استدلال کریں یا اسے کسی مسئلۂ شرعیہ کا مؤید قرار دیں تو اس میں فی الجملہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ کما لا یخفی علی الذکی۔

چونکہ اس حدیث کو بھی علما محدثین نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی دلیل یا اس کا مؤید قرار دیا ہے اس لیے اس میں ایسی قوت پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے اسے بالکلیہ ساقط الاعتبار کہنا درست نہیں۔

علاوہ ازیں یہ حدیث صرف ذکوان سے نہیں بلکہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے جیسا کہ زرقانی علی المواہب میں ہے:

'فهو مرسلٌ لكن روى ابن المبارك وابن الجوزي، عن ابن عباس لم يكن للنبي ﷺ ظل.' الحديث

(زرقانی، جلد رابع، مطبوعہ مصر، ص ۲۲۰)

اور زرقانی علی المواہب کے متعلق آپ کے علامہ شبلی نعمانی ''سیرۃ النبی'' میں ارقام فرماتے ہیں:

''زرقانی علی المواہب، یہ مواہب اللدنیہ کی شرح ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سہیلی (روض الانف) کے بعد کوئی کتاب اس جامعیت اور تحقیق سے نہیں لکھی گئی، آٹھ جلدوں میں ہے اور مصر میں چھپ گئی ہے''۔

(سیرۃ النبی، مؤلفہ شبلی نعمانی، جلد اوّل، طبع پنجم، ص ۳۷)

لہٰذا اس حدیث کو مرسل کہہ کر پیچھا چھڑانا ممکن نہیں، ہاں! بعض رواۃ کی جہت سے اس کا ضعف مسلم ہے، لیکن یاد رہے کہ اس حدیث کی صرف ایک روایت نہیں بلکہ ایک سے زائد روایتوں سے یہ حدیث مروی ہے جیسا کہ زرقانی کی منقولہ عبارت سے ثابت ہے لیکن تائید مزید کے لیے آپ کے علامہ شبلی نعمانی کی ایک عبارت بھی پیش کیے دیتا ہوں، دیکھیے وہ

لکھتے ہیں:

"ضعیف روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلعم کا سایہ نہ تھا، یعنی زمین پر جسم اقدس کا سایہ نہیں پڑتا تھا، لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتیں صحت سے خالی اور نا قابل اعتبار ہیں"۔

(سیرۃ النبی، مؤلفہ شبلی نعمانی، جلد دوم، ص ۱۹۸)

شبلی صاحب نے اس عبارت میں دو جگہ "ضعیف روایتوں" اور "یہ روایتیں" لکھ کر اس بات کو تسلیم کرلیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا مضمون ایک سے زیادہ کئی روایتوں میں آیا ہے، مانا کہ وہ سب ضعیف ہیں لیکن بہر حال وہ ایک روایت نہیں بلکہ کئی روایتیں ہیں، اس کے باوجود بھی انہیں نا قابلِ اعتبار کہنا ستم ظریفی نہیں تو کیا ہے؟ فنِ حدیث سے تھوڑی سی واقفیت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ ضعیف روایت طرق متعددہ سے مروی ہو تو اسے علی الاطلاق نا قابلِ اعتبار نہیں کہہ سکتے، اور علماے محدثین کی عبارات تو ہم پہلے ہی نقل کر چکے ہیں جن کو پڑھ کر ہمارے ناظرین کرام کو محدثین کا مسلک معلوم ہو گیا ہو گا۔

ایک معمہ

عبارتِ منقولہ بالا میں شبلی صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی روایتوں کی سند کا وجود تو مان لیا، یہ اور بات ہے کہ صحت کی نفی اور ضعف کا اثبات کیا لیکن بہر نوع سند کو ضرور تسلیم کیا کیونکہ صحیح یا ضعیف ہونا دراصل سند ہی کی صفت ہے،، اگر سند کا وجود نہ ہو تو صحت وضعف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لیکن یہی شبلی صاحب اس سے پہلے ص ۱۹۷ میں ارقام فرما چکے ہیں:

"عام طور سے مشہور ہے کہ آپ کے سایہ نہ تھا لیکن اس کی کوئی سند نہیں"۔

(سیرۃ النبی، مؤلفہ شبلی نعمانی، جلد دوم، ص ۱۹۷)

اَب یہ معمہ شبلی صاحب یا ان کے مقلدین ہی حل فرمائیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی جب کوئی سند ہی نہیں تو آپ کس چیز کو صحت سے خالی اور ضعیف قرار دے رہے ہیں۔

جن مودودیت زدہ لوگوں نے ازراہِ تعصب! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی حدیث کو مرسل اور ضعیف کہہ کر بالکل ساقط الاعتبار قرار دے دیا، نہ تعددِ روایات کا لحاظ رکھا نہ اجلۂ فضلائے اُمت کے مسلک کو دیکھا۔ گویا جلیل القدر محدثین کے مسلک کو قرآن و حدیث کے خلاف سمجھا۔ ان کی خدمت میں نہایت اخلاص کے ساتھ گزارش ہے کہ اس مقام پر ذرا مودودی صاحب کے ارشادات ہی ملاحظہ فرمالیے ہوتے۔ آپ کے مودودی صاحب نے ایک مرسل اور ضعیف حدیث سے پردہ کے بارے میں (باب احکام میں) استدلال کیا مگر استاذ ناصرالدین نے جب ان کی گرفت کی تو مودودی صاحب نے ان کو وہی جوابات دیے جو ایک زمانے سے ہم آپ کی خدمت میں پیش کرتے چلے آئے ہیں۔ خدارا عناد کو چھوڑ کر ذرا انصاف کیجیے شرعی مسائل میں یہ جنبہ داری اچھی نہیں، وہاں تو احکام کا معاملہ ہے اور یہاں محض مناقب کا مسئلہ ہے۔ اگر اَب بھی آپ اپنی ضد پر اڑے رہے تو یہ حق پسندی نہ ہوگی۔ مودودی صاحب کے بیان سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں انہیں غور سے پڑھ لیجیے، ماننا نہ ماننا آپ کی مرضی پر موقوف ہے۔ وہ ترجمان القرآن میں فرماتے ہیں:

"اوّلاً یہ بات اصحابِ علم سے پوشیدہ نہیں ہے اور فاضل استاذ سے بھی پوشیدہ نہ ہوگی کہ ایک ضعیف حدیث اگر کسی مضمون کے بیان کرنے میں منفرد ہو تو اس کے ضعف سند کی وجہ سے اس کا حکم بھی ضعیف ہو جاتا ہے، لیکن اگر متعدد ضعیف احادیث ایک مضمون کے بیان کرنے میں متفق ہوں تو چاہے ان میں سے ہر ایک فرداً فرداً بلحاظ اسناد کتنی ہی ضعیف ہو ان کا مشترک مضمون قوی ہو جاتا ہے۔ استاذِ محترم نے میری نقل کردہ ایک حدیث کے ضعف پر کلام کیا ہے مگر اس بات کو نظر انداز کر دیا ہے کہ ان ضعیف احادیث کی مجموعی شہادت سے ان کے مشترک مضمون کو قوت حاصل ہوتی ہے یا نہیں۔

ثانیاً حدیث ضعیف کے معنی لازماً یہی نہیں ہے کہ وہ جھوٹ اور موضوع ہے، اس میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ کذب کا احتمال یہ

تقاضا ضرور کرتا ہے کہ اس حکم کے معاملہ میں احتیاط برتی جائے جو اس میں بیان کیا گیا ہو۔ پھر جب کہ اسی حکم کا ذکر متعدد دوسری ضعیف احادیث میں بھی ہو تو اس کے احتمالِ صدق کا پہلو زیادہ راجح ہو جاتا ہے، ہم چاہے یہ نہ کہہ سکیں کہ ان احادیث سے فلاں فعل کا واجب یا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن یہ تو ضرور کہہ سکتے ہیں کہ فلاں فعل شرع پسندیدہ ہے یا ناپسندیدہ، اور فلاں فعل کرنا چاہیے یا نہ کرنا چاہیے کم از کم اس سے شریعت کے رجحان کا پتہ ضرور چلتا ہے۔

ثالثاً یہ بات بھی فاضل استاذ سے پوشیدہ نہ ہوگی کہ فقہا کی تلقی بالقبول احادیث کے ضعف میں نہیں بلکہ اس کی قوت میں اضافہ کرتی ہے"۔

(ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، شمارہ جنوری ۱۹۶۰ء، ص ۲۴)

اس کے بعد ص ۲۵ پر فرماتے ہیں:

"فاضل استاذ درست کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے اس لیے ضعیف ہے لیکن صرف مرسل اور ضعیف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خبر بالکل جھوٹ اور ساقط الاعتبار ہی ہو"۔

اس کے بعد ص ۲۶ پر فرماتے ہیں:

"جہاں تک قرآن اور سنتِ صحیحہ کے خلاف دعویٰ ہے اس کے متعلق تو میں بعد میں کچھ عرض کروں گا، لیکن یہاں اتنی بات عرض کیے بغیر میں نہیں رہ سکتا کہ ابن جریر اور قتادہ نہ تو قرآن سے اس قدر ناواقف ہیں کہ ایک چیز اس کے خلاف ہو مگر انہیں اس کا احساس نہ ہو اور نہ وہ ایسے جری ہیں کہ جان بوجھ کر ایک مخالفِ قرآنی بات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر دیں۔ ایسا دعویٰ کرنے سے پہلے استاذ ناصر الدین کو اپنی جگہ اچھی طرح غور کر لینا چاہیے تھا کہ وہ کیا فرما رہے ہیں"۔

آگے چل کر ص ۳۳-۳۴ پر فرماتے ہیں کہ:

"اس کے متعلق استاذ موصوف کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ یہ مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قول و فعل نہیں بلکہ ایک صحابیہ کا فعل ہے۔ اگر استاذ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آثارِ صحابہ نا قابلِ احتجاج ہیں اور ان سے کوئی رہنمائی حاصل نہیں ہوتی، یا ان کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے معاملے میں شریعت کا منشا معلوم کرنے کے لیے اُمہات المومنین کا عمل کوئی معتبر ذریعہ نہیں۔"

مودودی صاحب کے اس بیان کی روشنی میں حسب ذیل اُمور واضح ہو گئے:

۱۔ حدیث ذکوان جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسمانی سایہ کی نفی ہے، باوجود مرسل اور ضعیف ہونے کے فی الجملہ قوت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ دیگر روایات اس کے مضمون کی مؤید ہیں، جیسا کہ ہم بالتفصیل عرض کر چکے ہیں۔

۲۔ محض ضعف کی وجہ سے اس حدیث کو جھوٹا اور موضوع کہنا جائز نہیں، اس کی روشنی میں کم از کم شریعت کا یہ رجحان تو ظاہر ہو گیا کہ حضور علیہ السلام کا سایہ نہ تھا۔

۳۔ محدثین کا اس حدیث کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کے ثبوت یا اس کی تائید میں پیش کرنا اس کے ساقط الاعتبار ہونے کی تردید کرتا ہے۔

مخلصانہ گزارش

اپنے مخالفین کی خدمت میں ایک دفعہ پھر گزارش کروں گا اور مخلصانہ عرض کروں گا کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نور مان کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم اقدس سے سایہ کی نفی کرنے میں حسب ذیل اعلام اُمت ہمارے مقتدی ہیں جن کی چمکتی ہوئی عبارات کتبِ معتبرہ سے ہم نقل کر چکے ہیں اور بنظر سہولت اکثر کتابوں کے صفحات بھی تحریر کر دیئے ہیں۔

(۱) حکیم ترمذی (۲) حافظ رزین (۳) ابن مبارک (۴) ابن جوزی (۵) ابن سبع (۶) قاضی عیا (۷) جلال الدین سیوطی (۸) علامہ حسین بن محمد دیار بکری (۹) علامہ برہان الدین حلبی (۱۰) عارف رومی (۱۱) شہاب الدین خفاجی (۱۲) امام قسطلانی (۱۳) علامہ زرقانی (۱۴) امام راغب اصفہانی (۱۵) امام نسفی (۱۶) مجدد الف ثانی (۱۷) علامہ ابراہیم بیجوری (۱۸) علامہ بحر العلوم لکھنوی (۱۹) شاہ عبدالحق محدّث دہلوی (۲۰) شاہ عبدالعزیز

محدّث دہلوی۔ علیہم الرحمۃ والرضوان۔

اگر ہمارے خلاف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت کی نفی اور جسمانی سایہ کے ثبوت میں ایسے ہی محققین اعلام اُمت کے صریح اور واضح اقوال آپ کے پاس ہیں تو ازراہِ کرم قائلین کے اسمائے گرامی کے ساتھ اسی طرح دکھائیں جیسے ہم نے مسلّم بزرگان دین کے ارشادات اوران کے اسمائے گرامی کی فہرست آپ کے سامنے پیش کی ہے۔

أُولٰئِکَ آبَائی فجئنا فجاهم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

ورنہ برائے کرم غور فرمایئے کہ کیاان اعلام اُمت نے معاذ اللہ! قرآن وحدیث کے خلاف اپنی طرف سے ایک جھوٹی بات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کردی؟ آپ کے خیال میں یہ حضرات قرآن وحدیث سے ایسے ہی ناواقف تھے کہ ایک خلافِ واقعہ امر کو انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہایت شدومد کے ساتھ منسوب کردیا، اور انہیں اس کا احساس تک نہ ہوا۔

مجدد الف ثانی

پھر سب سے زیادہ عجیب یہ بات ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کونور مان کر حضور کے جسمِ اقدس سے سایہ کی بار بار نفی فرمائی اور نہایت لطیف ونفیس اندازِ بیان میں اس نورانی مضمون کوادا فرمایا۔

حضرت مجدد الف ثانی کوتمام دیوبندی اور خصوصاً مودودی قسم کے لوگ بھی مجدد مانتے ہیں اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مجدد کا کام یہ ہے کہ دین میں لوگوں کی پیدا کی ہوئی خرابیوں کا ازالہ کرے، مسلمانوں کے غلط اور فاسد خیالات کی تردید اور عقائد حقہ کی ترویج و تائید مجدد کے فرائضِ تجدید کا جزولاینفک ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمارے ناظرین کرام نے دیکھ لیا کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت کا عقیدہ ظاہر فرمایا اور جسم اقدس کے سایہ کی نفی فرمائی، جواس امر کی روشن دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نور ہونے کا اعتقاد اور جسم اقدس کے سایہ کی نفی کا مسلک ہی حق ہے اور اس کا انکار کرنا

شرعی نقطۂ نظر سے قطعاً غلط اور فاسد ہے۔

الحمد للہ! حدیث ذکوان پر کلام ختم ہوا اور مسئلہ ظل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نفی کے پہلو کا مکمل جائزہ ناظرین کرام کے سامنے آگیا۔ اَب دلائلِ اثبات پر کلام شروع کرتا ہوں، علیہ توکلت وبہٖ استعین۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ ہونے کی پہلی دلیل

ایک عامۃ الورود واقعہ میں تمام صحابہ کا سکوت دلیل ہے کہ حضور کا سایہ تھا۔

(ملخص از مکتوب میرزا ریاض احمد صاحب. لاہوری، بحوالہ تجلی دیوبند)

جائزہ

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی دلیل قرآن و حدیث کی وہ نصوص ہیں جن سے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کمالِ نورانیت اور لطافت ثابت ہوتی ہے۔ ناظرین کرام پڑھ چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسمانی نور سے دیواریں روشن ہوجاتی تھیں، تو جب ان آیتوں کی تلاوت شب وروز صحابہ کرام کرتے تھے اور ان حدیثوں کو روایت کرنے والے بھی صحابہ کرام ہی ہیں تو اَب ان کا سکوت کہاں رہا؟ ذرا فرمایئے کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حسّی حقیقی نورانیت، کے قائل ہیں اور حسّی حقیقی نورانیت کے لیے سایہ نہ ہونا لازم ہے تو جس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نور حسّی حقیقی کہا اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس سے سایہ کی نفی کی۔ یاد رکھیے لوازم بیّنہ محتاجِ بیان نہیں ہوا کرتے، ملزوم کا ذکر ہی لازم کا ذکر ہوتا ہے۔ اگر میں کہوں کہ سورج نکل آیا تو اس یہ مطلب نہیں کہ میں وجودِ نہار سے سکوت اختیار کیا یا میں نے کسی کو بنی آدم کہا تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا ہرگز درست نہیں کہ میں اس کے انسان ہونے سے ساکت ہوں۔ کسی کو صالح کہنا اس کے مومن ہونے سے سکوت اختیار کرنا نہیں بلکہ اس کے ایمان کا اقرار ہے۔ دیکھیے قرآن و حدیث میں کہیں نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے نہ کسی صحابی نے اللہ تعالیٰ کو واجب الوجود کہا۔ اَب اگر کوئی سادہ لوح یہ کہہ دے کہ قرآن وحدیث اور تمام صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے سے ساکت ہیں، تو یہ اس کی نادانی ہوگی کیونکہ جب قرآن وحدیث

میں اللہ تعالیٰ کو سبحان کہا گیا اور تمام صحابہ اللہ تعالیٰ کی سبحانیت کے قائل ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے کا اقرار کر رہے ہیں، کیونکہ سبحان کے لیے واجب الوجود ہونا لازم ہے، بس اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور حقیقی ہونے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے سایہ نہ ہونا لازم ہے، اور ملزوم کا اقرار لازم کا اقرار ہوتا ہے، اس لیے صحابہ کرام کو اس مسئلہ میں ساکت کہنا صحیح نہیں۔

رہا یہ امر کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بے سایہ دیکھ کر کافر ایمان کیوں نہ لائے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لانے والے نہ تھے، وہ اس سے بھی بڑے عظیم و جلیل معجزات دیکھ کر ایمان نہیں لائے، کسی کے ایمان نہ لانے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کسی کمال یا معجزہ کی نفی نہیں ہوسکتی۔

لوگوں کو حضور علیہ السلام کے سایہ نہ ہونے پر تعجب ہے اور میں عرض کروں گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نورانیت ثابت ہوجانے کے بعد حضور کا سایہ تعجب کی بات ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کثیف چیز کا سایہ ہرگز تعجب کا باعث نہیں ہوتا، البتہ اگر کسی لطیف نورانی چیز کا سایہ پڑنے لگے تو ہر شخص کو تعجب ہوگا۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نورانیت و لطافت اظہر من الشمس تھی تو اَب سایہ نہ ہونے پر کیا تعجب رہا ؟

اس کے بعد اتنی بات اور عرض کردوں کہ ہمارے پیش کردہ بیس سے زیادہ ائمہ اعلام نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم اقدس سے سایہ کی نفی کردی تو اس کے بعد تمام علمائے اُمت کا سکوت اس امر کی روشن دلیل ہے کہ یہ مسلک حق ہے اور جو استشہاد اس بارے میں کیا گیا ہے صحیح ہے ورنہ ایک غلط استدلال اور باطل عقیدہ کے سامنے آجانے کے بعد کسی اہلِ حق کے لیے سکوت جائز نہیں ہوسکتا۔

ثبوتِ ظل کی احادیث

اَب ان احادیث پر کلام کرتا ہوں جنہیں مخالفین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمانی سایہ کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ وہ تین حدیثیں ہیں جو ناظرین کرام اس مضمون کے شروع میں پڑھ چکے ہیں، ان میں ایک حدیث مسند امام احمد کی ہے اور دوسری مجمع الزوائد کی۔ یہ دونوں

حدیثیں ایک ہی واقعہ کے بیان میں وارد ہیں۔ وہ واقعہ ناظرین کرام کے سامنے آچکا ہے جو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت اثنائے سفر میں اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اونٹ بیمار ہوگیا۔ اُم المومنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ضرورت سے زائد اونٹ تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب سے فرمایا کہ تم ایک اونٹ صفیہ کو دے دو۔ انہوں نے کہا حضور! اس یہودیہ کو میں اپنا اونٹ دے دوں؟ حضور علیہ السلام اس بات پر حضرت زینب سے ناراض ہوگئے اور ان سے بات چیت چھوڑ دی۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع سے واپسی کے موقعہ پر سفر میں ذی الحجہ کے آخری دنوں میں پیش آیا تھا۔ وہ باقی ایام سب اسی حالت میں گزرے حتیٰ کہ ماہ محرم اور ماہ صفر اور اس کے بعد ربیع الاوّل شریف کے چند دن بھی اسی ناراضگی کے حال میں بسر ہوئے۔ حضرت زینب فرماتی ہیں میں نے سمجھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اَب میری کوئی حاجت نہیں رہی۔ اس لیے میں نے اپنا بستر اور چارپائی وغیرہ سامان اُٹھادیا، اسی اثنا میں مَیں ایک دن بیٹھی ہوئی تھی کہ اچانک ٹھیک نصف النہار کے وقت مَیں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ظل مبارک کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔

مخالفین کے مبلغ علم پر حیرت ہوتی ہے کہ انہیں جہاں لفظ ظل نظر آیا فوراً اس کے معنی جسم کے تاریک سایہ کے سمجھ لیے۔ ایسی ذہنیت والوں سے تعجب نہیں کہ وہ حدیث مبارک سبعة یظلھم الله بظله (سات آدمی ایسے ہوں گے جن پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنا سایہ ڈالے گا) اور اسی طرح دوسری حدیث یوم لا ظل الا ظله (قیامت کے دن اللہ کے سایہ کے سوا کسی کا سایہ نہ ہوگا) پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے لیے بھی جسمانی تاریک سایہ ثابت کردیں۔ معاذالله ثم معاذالله۔

سابقاً عرض کرچکا ہوں کہ مسند امام احمد اور مجمع الزوائد کی دونوں کتابوں میں یہی ایک واقعہ مروی ہے۔ حادی الارواح کی حدیث کا جوب ان شاء اللہ آخر میں پیش کروں گا، پہلے اسی واقعہ کی دونوں حدیثوں کا جواب عرض کرتا ہوں جس کے چار مقدمے ہیں۔ ان شاء اللہ ترتیب وار ہر مقدمہ کے دلائل لکھوں گا، جنہیں پڑھ کر ناظرین کرام پر واضح ہوجائے گا کہ

مخالفین کا استدلال انّ اوھن البیوت لبیت العنکبوت، سے بھی گیا گزرا ہے۔

امرِ اوّل

''ظل'' کے معنی کا بیان اور اس بات کا ثبوت کہ لفظ ''ظل'' لغتِ عرب میں ''شخص'' اور ''جسم'' کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

امرِ دوم

ظل اور فیٔ کے معنی میں فرق ہے۔

امرِ سوم

جس دن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ٹھیک نصف النہار (دوپہر) کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظلِ کریم کو دیکھا تھا وہ دن گرمی کے موسم میں تھا۔

امرِ چہارم

موسم گرما میں نصف النہار کے وقت ظل اور فیٔ کا وجود نہیں ہوتا۔

امرِ اوّل

ظل کے معنی کا بیان اور ''ظل'' بمعنی شخص اور جسم کا ثبوت

۱۔ منتہی الارب لفظ ظل کے تحت فرماتے ہیں:

(۱) راحت و (۲) نعمت وخیال کہ از دیو و پری وجز آں پید شد۔ و (۳) اسپ مسلمہ بن عبدالملک و (۴) ارجمندی و (۵) استواری، و (۶) ریشہ و پرزہٗ (۷) جامہ و (۸) شب یا (۹) بہرہ از شب، و (۱۰) کالبد و، (۱۱) شخص ہر چیزے یا (۱۲) پوشش آں، و (۱۳) اوّل جوانی۔

(منتہی الارب، جلد ۳، ص ۷۸)

۲۔ اسی طرح تاج اللغت میں لفظ ظل کے معنی بیان کرتے ہوئے ارقام فرمایا:

ونیز خیالے کہ (۱) دیدہ میشود از جن وجز آں، ونام (۲) اسپ مسلم بن عبدالملک و (۳) عزت و (۴) غلبہ و (۵) ریشہ و (۶) تار جامہ کہ از دوختن دو طرف جامہ ظاہر شود زمخشری گوید ھذا ثوب مالہ ظل۔ آگے چل کر

فرماتے ہیں ظل کل شئی (۷) شخص آں چیز یا (۸) پردۂ آں۔ انتہیٰ۔
(تاج اللغت، فصل الزاء)

۳۔ القاموس المحیط میں ہے:

الظلُّ، بالكسر: نقيض الضح، أهو الفيئ، أهو بالغداة، والفئ بالعشئ، جمع ظلال وظلول وأظلال، والجنة۔ ومنه: (ولا الظلُّ ولاالحرور)، والخيال من الجن وغيره يرئ، وفرس مسلمة بن عبدالملك، والعز والمنعة، والزئبرُ، والليل او جنحه، ومن كل شيء: شخصه او كنه، او من الشباب اوله، ومن القيظ: شدته، ومن السحاب: ماوارى الشمس منه، أسواده، ومن النهار: لو نهاذا غلبته الشمس، وهو في ظله: كنفه۔ انتهى۔

(القاموس المحیط، جلد رابع، ص ۲، فصل الزاء، مطبوعہ فتح الکریم بمبئی)
(طبع موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۲۰۰۵ء، ص ۱۰۲۸)

ترجمہ: ظل بالکسر روشنی کی نقیض ہے یا ظل بمعنی فئی (سایہ) ہے یا ظل صبح کو ہوتا ہے اور فئی شام کو ہوتا ہے۔ جمع ظلال، ظلول اور اظلال ہے اور ظلِ جنت کو بھی ظل کہتے ہیں اور اسی سے ہے ولا الظل و لا الحرور اور ظل جن وغیرہ کے خیال کو بھی کہتے ہیں اور مسلمہ بن عبدالملک کے گھوڑے کو بھی ظل کہتے ہیں، ظل کے معنی عزت بھی ہیں اور ظل کے معنی قوت اور غلبہ کے بھی ہیں اور ظل کپڑے کے تاگے کو بھی کہتے ہیں جو سینے کی وجہ سے دونوں طرف نظر آتا ہے، ظل کے معنی رات بھی ہیں اور ظل رات کی تاریکی کو بھی کہتے ہیں اور ہر چیز کے شخص اور بدن کو بھی ظل کہا جاتا ہے، یا کسی شئے کے پردے اور لباس کو بھی ظل کہتے ہیں، اوّل جوانی کو بھی ظل کہا جاتا ہے اور گرمی کی شدت کو بھی ظل کہتے ہیں اور بادل کے اس حصے کو بھی ظل کہتے ہیں جو سورج کو

ڈھانک لے، اور بادل کی سیاہی کو بھی ظل کہا جاتا ہے اور دن کے رنگ کو بھی ظل کہتے ہیں جب سورج اس پر غالب ہو جائے، عرب کا محاورہ ہے **وھو فی ظلہٖ** اِس کے معنی ہیں **فی کنفہٖ** یعنی فلاں شخص کے ظل میں ہے اس کی پناہ اور حفاظت میں ہے۔ انتہیٰ۔

۴۔ اسی طرح اقرب الموارد میں بھی تمام معانی مرقومہ بالا لکھے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے **ومن کل شئی شخصہ** ہر چیز کے شخص اور بدن کو بھی ظل کہتے ہیں۔

(اقرب الموارد، جلد دوم، ص ۷۳۱)

۵۔ مجمع بحار الانوار میں علامہ شیخ محمد طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۳۳ پر ظل کے معنی جسم لکھ کر اس کے آگے ص ۳۳۴ پر فرماتے ہیں **وظلا لھم شخوصھم** یعنی ان کے ظلال سے ان کے اشخاص یعنی اجسام مراد ہیں۔

(مجمع بحار الانوار، جلد ۲، ص ۳۳۳، ۳۳۴، مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ)

ناظرین کرام کو معلوم ہو گیا کہ کتب لغت میں ظل بمعنی سایہ ہی نہیں بلکہ اس کے اور بھی بہت سے معنی ہیں اور ان معانی میں ظل بمعنی شخص بھی وارد ہے۔ یعنی شخص اور جسم کو بھی لغت عرب میں ظل کہا جاتا ہے اور ان معنی کی تائید میں بعض مفسرین کی عبارات بھی ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں، دیکھیے تفسیر مظہری میں ہے۔

"ویکن ان یقال المراد بمن فی الموات والارض حقائق من فیھا وارواح الملئکۃ والمومنین وبظلولھم اشخاصھم وقوالبھم کما عبر رسول اللہ ﷺ فی دعائہ الظاھر بالسواد والباطن بالخیال حیث قال فی سجودہٖ سجد لک سوادی وخیالی وھذا التاویل اولیٰ مما سبق لان الظلال التی یُری ضح الشمس عبارۃ عن سواد موضع لم یصل الیہ ضوء الشمس لحجاب جثۃ الشئی وذٰلک امر

عدمیٌ لا وجود لها فکیف یسند الیہ السجود"۔

(تفسیر مظہری، جلد ۵، پارہ ۱۳، سورہ رعد، ص ۱۷)

ترجمہ: اور ممکن ہے کہ کہا جائے کہ من فی السموات والارض سے وہ حقائق مراد ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں پائے جاتے ہیں اور فرشتوں اور مومنین کی روحیں، اور ان کے ظلال سے ان کے اشخاص اور قوالب مراد ہیں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دُعا میں ظاہر کو سواد اور باطن کو خیال سے تعبیر فرمایا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے اپنے سجدے میں یہ الفاظ فرمائے سجدلك سوادی وخیالی (اے اللہ تیرے لیے میرے سواد اور خیال (ظاہر وباطن) نے سجدہ کیا) اور یہ تاویل یعنی ظلال سے اشخاص اور قوالب مراد لینا پہلی تاویل سے اولیٰ ہے، اس لیے کہ وہ سائے جو سورج کی روشنی میں نظر آتے ہیں وہ عبارت ہیں اس جگہ کی سیاہی سے جہاں کسی جسم کثیف کے حاجب ہونے کی وجہ سے سورج کی روشنی نہیں پہنچتی اور ظاہر ہے کہ یہ سیاہی جسے ہم ظل کہہ رہے ہیں محض ایک امر عدمی ہے جس کے لیے کوئی وجود نہیں، تو ایسی صورت میں اس کی طرف سجدے کی اسناد کیونکر صحیح ہوگی۔ انتہیٰ۔

(تفسیر مظہری)

دیکھیے صاحبِ تفسیر مظہری نے صاف اور واضح لفظوں میں ظل کے معنی شخص اور قالب کے بیان کیے ہیں۔

اسی طرح تفسیر معالم التنزیل میں ہے:

۲۔ وقیل ظلا لھم ای اشخاصھم یعنی آیت قرآنیہ یتفیؤ ظلالھم میں ان کے اجسام مراد ہیں، اور یہاں ظل بمعنی سایہ نہیں بلکہ بمعنی شخص اور بدن ہے۔ انتہیٰ۔

(تفسیر معالم التنزیل، پ ۲۳، ص ۱۱)

یہی مضمون تفسیر روح المعانی میں ہے، صاحبِ تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں:

۳۔ ومن الناس من فسّر الظلال فی قراء ۃ العامۃ بالاشخاص لتکون علیٰ نحو قراء ۃ عیسیٰ وانشدوا لاستعمال الظلال فی ذلک قول عبدۃ

اذا نزلنا نصبنا ظل اخبیۃ
وفار للقوم باللحم المراجیل

فانہ انما تنصب الاخبیۃ لا الظل الذی ھوافئی وقول الاخر، یتبع افیاء الظلال عشیۃ فانہ ارادا فیاء الاشخاص۔انتہیٰ۔

ترجمہ: اور عامہ قراء کی قرأت میں جو لفظ ظلال آیا ہے بعض لوگوں نے اس کی تفسیر اشخاص کے ساتھ کی ہے تا کہ یہ قرأت عیسیٰ کی قرأت کے موافق ہو جائے، اور انہوں نے ظلال بمعنی اشخاص کی تائید میں عبدۃ کا یہ قول پیش کیا ہے۔

جب ہم اُترے تو ہم نے خیموں کے ظل یعنی خیموں کے اشخاص واجسام کو نصب کیا، اور قوم کے لیے گوشت کی ہانڈیاں پکنے لگیں۔

وجہ استشہاد یہ ہے کہ جو چیز نصب کی جاتی ہے وہ خیمے ہوتے ہیں، ان کا ظل جسے سایہ کہتے ہیں نصب نہیں کیا جاتا، لہٰذا ثابت ہوا کہ یہاں ظل بمعنی شخص پر انہوں نے استدلال کیا اور وہ قول یہ ہے۔ وہ پیچھے آتا ہے افیاء ظلال کے شام کے وقت، افیاء فئی کی جمع ہے جس کے معنی ہیں سایہ، اَب اگر ظلال کے معنی بھی سایہ ہوں تو سایہ سائے کی طرف مضاف ہو جائے گا جو درست نہیں، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہاں ظلال بمعنی اشخاص ہے اور مصرعہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ شام کے وقت اشخاص واجسام کے سایوں کے پیچھے آتا ہے۔

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ آیت کریمہ میں ظلال بمعنی اشخاص ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

صاحب روح المعانی نے اس مقام پر امام راغب اصفہانی کا تعاقب نقل کیا ہے لہٰذا

یہ استدلال مجروح ہے۔

جواباً عرض کروں گا کہ نظرِ صحیح سے کام لیا جائے تو امام راغب اصفہانی کا تواقب صحیح نہیں کیونکہ انہوں نے رَفَعْنَا ظِلَّ اَخبیۃٍ کے معنی کیے ہیں رفعنا الاخبیۃ فرفعنا بہ ظلھا اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں لفظ ظل حشوِ محض ہے اور بالکل بے فائدہ ہو کر رہ جاتا ہے، جو تاویل فسادِ کلام کا موجب ہو وہ خود فاسد ہے اس لیے یہ تعاقب درست نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس دوسرے قول میں وہ خاص کی اضافت، عام کی طرف بتا رہے ہیں۔ اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ اضافت کا فائدہ تخصیص وتعریف مضاف ہے یا تخفیف لفظی، اس اضافت میں تخفیف لفظی تو متصور ہی نہیں۔ رہی تخصیص تو وہ تحصیل حاصل ہوگی اس لیے کہ مضاف اضافت سے پہلے ہی خاص ہے لہٰذا اضافت بے فائدہ رہی اور یہ بھی فساد کلام ہے۔ معلوم ہوا کہ امام راغب اصفہانی کا تعاقب صحیح نہیں اور دونوں قولوں میں ظل بمعنی شخص ہی مستعمل ہے جس کی تائید تفسیر مظہری، تفسیر معالم التنزیل، مجمع بحار الانوار اور لغت کی معتبر کتابوں سے ہوتی ہے، جن کی روشن اور واضح عبارات ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔

امرِ دوم

ظل اور فئی کے معنی میں فرق ہے

مصباح المنیر میں ہے:

(الظل) قال ابن قتیبہ یذھب الناس الی ان الظل والفئی بمعنی واحد ولیس کذلك بل الظل یکون غدوۃ وعشیۃ والفئی لا یکون الا بعد الزوال فلا یقال لما قبل الزوال فئی وانما سمی بعد الزوال فیئًا لا نہ ظل فاء من جانب المغرب الیٰ جانب المشرق والفئی الرجوع وقال ابن السکیت الظل من الطلوع الی الزوال والفئی من الزوال الی الغروب وقال ثعلب الظل للشجرۃ وغیرھا بالغداۃ والفئی بالعشی وقال رؤبۃ بن العجاج کل ما کانت

علیه الشمس فزالت عنه فهو ظل وفئی ومالم یکن علیه الشمس فهو ظل، ومن هنا قیل الشمس تنسخ الظل والفئی ینسخ الشمس، وجمع الظل ظلال والظلة وظلٌ۔

(مصباح المنیر، مطبوعہ مصر، جلد دوم، ص ۳۶۳)

ترجمہ: ابن قتیبہ نے کہا کہ بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ ظل اور فئی ایک معنی میں ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ظل صبح اور شام دونوں وقت ہوتا ہے اور فئی صرف بعد الزوال ہوتا ہے، لہٰذا قبل الزوال سایہ کو فئی نہیں کہا جاتا، اور سایہ بعد الزوال کو اس لیے فئی کہا جاتا ہے کہ فئی کے معنی رجوع کے ہیں اور وہ سایہ (جسے فئی کہا جاتا ہے) وہ مُشرق سے مغرب کی جانب ہوتا ہے، ابن سکیت کا قول ہے کہ طلوع سے زوال تک جو سایہ ہوتا ہے اسے ظل کہا جاتا ہے اور زوال کے بعد سے غروب تک فئی ہوتا ہے، اور ثعلب نے کہا کہ ظل درخت وغیرہ کے اس سایہ کو کہتے ہیں جو دوپہر سے پہلے ہوتا ہے اور فئی اسے کہتے ہیں جو دوپہر کے بعد ہوتا ہے اور رؤبہ بن عجاج نے کہا کہ ہر وہ سایہ جو سورج ڈھلنے کے بعد ہو وہ ظل اور فئی ہے اور جو سورج ڈھلنے سے پہلے ہو وہ ظل ہے اور یہی مبنیٰ ہے اس قول کا کہ سورج ظل کو منسوخ کر دیتا ہے اور فئی سورج کو یعنی اسے خطِ استواء سے زائل کر دیتا ہے اور ظل کی جمع ظلال اور اظلہ اور ظلل ہے۔ انتہیٰ۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض علماء کے نزدیک سایہ قبل الزوال "ظل" ہے اور بعد الزوال "فئی" ہے اور بعض کا قول ہے کہ قبل الزوال "ظل" ہے اور بعد الزوال "ظل" اور "فئی" ہے، اور پہلے قول پر "ظل" اور "فئی" متبائین ہیں اور دوسرے قول پر "ظل" عام اور "فئی" خاص! تباین کا قول اکثر علماء نے کیا ہے، چنانچہ تفسیر خازن ومعالم جلد ۴، ص ۷۷ اور کتاب التعریفات للسید الشریف الجرجانی، مطبوعہ مصر، ص ۳۷ اور جمهرة اللغة مطبوعہ دائرۃ المعارف، جلد اوّل حیدر آباد دکن کی عبارت سے واضح ہے۔

امر سوم

موسم گرما: ناظرین کرام کو یاد ہوگا کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شکر رنجی کا واقعہ حج الوداع سے واپسی کے موقع پر اثنائے سفر پیش آیا تھا۔ چنانچہ مسند امام احمد میں عفان راوی کا قول جزم کے ساتھ موجود ہے کہ **ولا اظنیه الا قال فی حجة الوداع**۔ (مسند امام احمد، جلد ٦، ص ١٣٢) اور یہ شکر رنجی ذی الحجہ کے آخری ایام سے لے کر ربیع الاوّل شریف کے چند دنوں تک رہی، جیسا کہ مسند امام احمد اور مجمع الزوائد کی حدیثوں میں اس کی تصریح موجود ہے اور مجمع الزوائد میں بغیر کسی شک کے **ایاما من شهر ربیع الاوّل** کے الفاظ وارد ہیں۔ دیکھیے مجمع الزوائد، جلد چہارم، طبع قاہرہ، ص ٣٢٣ (ہفت روزہ تنظیم اہلِ حدیث لاہور، شمارہ ٨ رجنوری، ١٩٦٠ء ص ٤) از مکتوب مولانا ابوداؤد محمد صادق صاحب گوجرانوالہ۔

بالآخر ایک دن حضرت زینب نے نصف النہار کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ظل کریم کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو یہ دن یقیناً ربیع الاوّل ہی کے دنوں میں سے ہے اور کسی پڑھے لکھے مسلمان سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ حجۃ الوداع ١٠ھ میں ہوا، اور ١١ھ میں ١٢ر ربیع الاوّل شریف مطابق ١١ر جون کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی، دیکھیے رحمۃ للعلمین مؤلفہ قاضی سلیمان منصور پوری، جلد ٢، ص ٢٧٤ اور تاریخ اسلام مؤلفہ شوق امرتسری، ص ٣٢١۔

'حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات ١٢ر ربیع الاوّل ١١ھ بروز دوشنبہ مطابق ١١ر جون ٦٣٢ء بوقت چاشت واقع ہوئی، اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ برس اور پانچ یوم کی تھی''۔

(تاریخ اسلام، ص ٣٢١۔ رحمۃ للعلمین، جلد ٢، ص ٢٧)

اس حساب سے ثابت ہوگیا کہ جس دن حضرت زینب حضور علیہ السلام کے ظل کریم کو دیکھنے کا واقعہ بیان فرما رہی ہیں وہ جون کے مہینہ کا دن تھا جو خاص گرمی کا موسم ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر اس مقام پر یہ شبہ وارد کیا جائے کہ علامہ شبلی نعمانی کے بیان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی

تاریخ وصال یکم ربیع الاوّل مطابق ۳۱ رمئی ظاہر ہوتی ہے تو میں جواباً عرض کروں گا کہ اوّل تو ۳۱ رمئی بھی گرمی کا زمانہ ہے دوسرے یہ کہ اس قول پر مخالفین کی پیش کردہ دونوں حدیثیں ساقط الاعتبار ہوجائیں گی کیونکہ جب یکم ربیع الاوّل کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہوگیا تو اسی ماہ ربیع الاوّل کے چند دنوں تک شکر رنجی باقی رہنا اور اس کے بعد ایک دن حضرت زینب کا ظلِ رسول دیکھنا سب کچھ غلط ہوجائے گا، لہٰذا علامہ شبلی کا قول کسی طرح پیش کردہ حدیثوں کے مطابق نہیں ہوسکتا۔ اگر شبلی کے قول کو مانا جائے تو حدیثوں کو چھوڑنا پڑے گا اور حدیثوں کو تسلیم کیا جائے تو شبلی صاحب کے قول سے کنارہ کشی کرنا ہوگی۔

امر چہارم

موسم گرما میں دوپہر کو سایہ نہیں ہوتا: گرمی کے زمانہ میں دوپہر کے وقت کسی جانب کو انسان کا جھکا ہوا سایہ نہ ہونا ایسا روشن اور ظاہر امر ہے جس پر کسی دلیل کی حاجت نہیں لیکن اس کے باوجود آخری اتمام حجت کے لیے ہم اپنے اس بیّن دعویٰ پر بھی دلیل قائم کیے دیتے ہیں تاکہ منکرین کے لیے کوئی عذر بارد باقی نہ رہے، دیکھیے منجد میں ہے:

۱۔ ومشیت علی ظلی او انتعلت ظلی ای مشیت وقد انتصف النہار فلم یکن لی ظل"۔

(المنجد، طبع قاہرہ، ص۴۹۹)

ترجمہ: "مشیت علیٰ ظلی" اور "انتعلت ظلی" کے معنی ہیں کہ میں چلا اس حال میں کہ نصف النہار کا وقت ہوگیا تھا، اس لیے میرا سایہ نہیں تھا"۔

۲۔ مصباح اللغات میں ہے:

"ومشیت علی ظلی او انتعلت ظلی"

(مصباح اللغات، ص۵۰۱)

ترجمہ: مَیں چلا اس حال میں کہ دوپہر ہوچکی تھی اس لیے میرا سایہ نہ تھا۔

۳۔ اقرب الموارد میں ہے:

"(مشیت علی ظلی وانتعلت فی ظلی) اذا مشیت وقد

انتصف النہار فی ایقظ فلم یکن لی ظل"

(اقرب الموارد، جلد ۲ ص ۷۳۱، طبع قاہرہ)

ترجمہ: "مشیت علی ظلی" اور "انتعلت فی ظلی" اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص موسم گرما میں دوپہر کے وقت چلے تو کہتا ہے کہ چونکہ میں دوپہر کے وقت چلا اس لیے میرا سایہ نہ تھا۔ انتہیٰ

۴۔ کرمانی شرح بخاری میں ہے:

"قائم الظهيرة ای نصف النهار وهو استواء حالة الشمس وسمی قائما لان الظل لا يظهر حينئذٍ فكانّهٗ قائم واقف"۔

(کرمانی حاشیہ بخاری، جلد اوّل، ص ۳۱۰، مطبوعہ اصح المطابع)

ترجمہ: قائم الظہیرہ نصف النہار کو کہتے ہیں اور وہ سورج کے خطِ استواء پر ہونے کی حالت ہے۔ دوپہر کو قائم اس لیے کہتے ہیں کہ اس وقت سایہ ظاہر نہیں ہوتا، تو گویا وہ ایک جگہ کھڑا اور ٹھہرا ہوا ہے۔ انتہیٰ۔

ناظرین کرام! بیان سابق میں پڑھ چکے ہیں کہ سایہ دو قسم کا ہے، ایک ظل اور دوسرا فئی۔ ظل وہ سایہ ہے جو اوّل نہار میں قبل الزوال ہوتا ہے اور فئی وہ سایہ ہے جو بعد الزوال غروب تک رہتا ہے۔

نصف النہار کا وقت چونکہ درمیان میں ہوتا ہے اس لیے اس وقت نہ ظل ہوتا ہے نہ فئی بلکہ چلنے والے کا سایہ اس وقت اس کے پاؤں میں ہوتا ہے، جیسے وہ پامال کرتا ہوا چلتا ہے اور گرمی کے دنوں میں کسی جانب جھکے ہوئے سائے کا وجود نہیں ہوتا، لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی آنے والے کے جسم سے پہلے اس کا سایہ نظر آجائے۔

ایسی صورت میں ماہنامہ تجلی، دیوبند کا یہ لکھنا کہ اُم المومنین فرماتی ہیں:

"پس ایک دن دوپہر کے وقت دفعۃً رسول اللہ تشریف لے آئے اور میں نے پہلے ان کا سایہ ہی دیکھا"۔

(ماہنامہ تجلی، دیوبند، شمارہ بابت فروری، مارچ ۱۹۵۹ء، ص ۱۸، کالم ۲ کے نیچے) از مکتوب

میرزا ریاض احمد صاحب حافظ آبادی۔

قطعاً غلط اور باطل محض ہے۔ بلکہ اس واقعہ کی دونوں روایتوں میں لفظ ظل بمعنی شخص ہے جیسا کہ ہم کتبِ لغت وتفاسیر سے ابھی وہ عبارت نقل کر چکے ہیں، اور اُم المومنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس قول کے معنی یہ ہیں کہ ''میں ایک دن دوپہر کے وقت بیٹھی ہوئی تھی کہ ناگہاں میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔''

الحمدللہ! مسند امام احمد اور مجمع الزوائد کی دونوں حدیثوں پر کلام ختم ہوا اور دلائل کی روشنی میں حق واضح ہوگیا۔ اہلِ علم منصف مزاج حضرات سے اُمید ہے کہ وہ ہماری اس تحقیق اور محنت کی قدر کریں گے، اور جن کے دلوں میں زیغ ہے ان سے انصاف کی کوئی اُمید نہیں۔ حق واضح کر دینا ہمارا فرض تھا جس سے ہم سبکدوش ہوگئے۔ واللہ الحجۃ السامیہ۔

تیسری حدیث ''ظلی وظلکم''

اس کے بعد تیسری حدیث پر کلام کرتا ہوں جو علامہ ابن قیم کی حادی الارواح سے مخالفین نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا تاریک سایہ ثابت کرنے کے لیے پیش کی ہے، حدیث اور اس کا ترجمہ ابتدائے بیان میں ہم واضح طور پر لکھ چکے ہیں، اعادہ کی حاجت نہیں۔

علامہ ابن قیم نے یہ حدیث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ ثابت کرنے کے لیے نہیں لکھی بلکہ دوزخ وجنت کا وجود ثابت کرنے کے لیے ارقام فرمائی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ دوزخ وجنت پیدا ہو چکی ہیں جس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی اس دیوار پر جو قبلہ کی جانب واقع ہوئی ہے فجر کی نماز میں جنت اور دوزخ دونوں کو دیکھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کی اشیا اور جنتیوں اور دوزخیوں کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ طبرانی میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"مارأیتم من شئی فی الدنیا لہ لون ولا نبئتم بہ فی الجنۃ ولا فی النار الا لقد صور لی من قبل ھذا الجدار منذ صلیت لکم صلوتی ھذہ فنظرت الیہ مصورا فی جدار المسجد"۔ انتہیٰ۔

(کنز العمال، جلد ۴، ص ۱۷۸)

ترجمہ: تم نے دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس کا کوئی رنگ ہو اور نہ تمہیں جنت و دوزخ میں کسی چیز کے ہونے کی خبر دی گئی لیکن وہ سب چیزیں اور تمام دوزخی اور جنتی سب اس دیوار قبلہ کی سمت میں ظاہر کردیئے گئے جس وقت سے میں نے تمہیں اپنی یہ نماز پڑھائی ہے تو میں نے ہر چیز کی صورت دیوارِ مسجد میں دیکھ لی۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوزخ و جنت کی ہر چیز کو دیکھ لیا تو اپنے آپ کو اور صحابہ کرام کو بھی یقیناً دیکھا، کیونکہ حضور اور آپ کے صحابہ کرام بھی تو جنتی ہیں، معلوم ہوا کہ یہاں بھی ظل کے معنی جسم کے تاریک سایہ کے نہیں بلکہ وہی "شخص" اور جسم کے معنی ہیں جو ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں، اور رأیت ظلی وظلکم کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو اور تم سب کو دیکھا اور یہ بات کوئی تعجب انگیز نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ دنیا میں ہوتے ہوئے جنت میں کیسے موجود تھے؟ دیکھیے شب معراج جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے آسمان پر پہنچے اور آدم علیہ السلام سے ملاقات کی اور ان کے دائیں بائیں ان کی نیک اور بد اولاد کو دیکھا تو نیکوں میں حضور علیہ السلام نے اپنے آپ کو بھی دیکھا، امام شعرانی فرماتے ہیں:

"ورأی رسول اللہ ﷺ صورته هناك فی اشخاص السعداء فشکر اللہ تعالیٰ وعلم عند ذلك کیف یکون الانسان فی مکانین"۔ (الیواقیت والجواہر، جلد ۲، ص ۳۴، مطبوعہ مصر)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیکوں کی ذاتوں میں اپنی صورتِ مبارکہ بھی دیکھی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عین الیقین کے ساتھ جان لیا کہ ایک انسان کس طرح دو جگہوں میں ہوتا ہے۔

لہٰذا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، جس طرح حضور علیہ السلام آسمان اوّل پر اشخاص سعداء سے باہر بھی تھے اور ان کے اندر بھی اپنے آپ کو ملاحظہ فرما رہے تھے، اسی طرح اس موقع پر بھی حضور اور آپ کے صحابہ جنت سے باہر بھی تھے اور جنت میں بھی حضور اپنے ساتھ اپنے صحابہ کو دیکھ رہے تھے۔

معلوم ہوا کہ "ظلی وظلکم" سے حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کا جسمانی سایہ مراد نہیں بلکہ ذواتِ قدسیہ مراد ہیں اور حدیث کے معنی وہی ہیں جو ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ میں نے جنت میں اپنے آپ کو بھی دیکھا اور تمہیں بھی دیکھا۔

مخالفین کی بے بصری پر حیرت

کمالاتِ رسالت کے منکرین کی بے بصری موجب حیرت ہے، ان لوگوں نے ظلی وظلکم کی حدیث سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جسمانی سایہ ثابت کرتے وقت اتنی بات بھی نہ سوچی کہ اگر اس حدیث سے حضور کا سایہ ثابت ہوا تو یا مسجد نبوی میں ہوگا یا دوزخ میں یا جنت میں، کیونکہ یہ واقعہ عین نمازِ فجر کا ہے جس وقت حضور اور صحابہ کرام مسجد نبوی میں تھے۔ ذرا غور کرنے سے یہ بات واضح ہوسکتی ہے کہ تینوں جگہوں میں سے ایک جگہ پر بھی اس وقت سایہ کا وجود ممکن نہ تھا، کیونکہ نماز فجر کا وقت آخر شب کی ہلکی سیاہی کا وقت ہوتا ہے، اس وقت کسی سایہ دار چیز کا سایہ ظاہر نہیں ہوتا، اور جنت میں بھی کسی جنتی کا سایہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ جنت میں ہر وقت ایسا سایہ رہتا ہے جیسے طلوعِ فجر اور طلوعِ آفتاب کے درمیانی وقت میں سایہ ہوتا ہے اور سائے میں کسی کا سایہ نظر نہیں آتا، اس لیے جنت میں بھی سایہ دیکھنا متصور نہیں۔ اَب تیسری جگہ دوزخ ہے، تو مجھے اُمید نہیں کہ مخالفین دوزخ میں حضور کا سایہ مانتے ہوں اور اگر خلافِ اُمید ان کا مسلک فی الواقع یہی ہے تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ سایہ ہمیشہ روشنی میں ہوتا ہے اور دوزخ کی آگ دنیاوی آگ کی طرح روشن نہیں، بلکہ وہ سیاہ اور تاریک ہے۔ دیکھیے ترمذی، جلد ۲، ص ۸۳، مشکوٰۃ، جلد ۲، ص ۵۰۳۔

اور ظاہر ہے کہ سیاہی اور تاریکی میں سایہ نہیں ہوتا، اَب مخالفین بتائیں کہ حتیٰ رأیتِ ظلی وظلکم کے معنی جو آپ کرتے ہیں کہ "میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا" یہ معنی کیسے درست ہوسکتے ہیں۔

اگرچہ میرا یہ بیان محتاجِ دلیل نہیں لیکن ہر قسم کا تردّد زائل کرنے کے لیے دلائل پیش کرتا ہوں، اور ساتھ ہی بعض شکوک وشبہات کے جوابات بھی عرض کروں گا تا کہ اتمام حجت کا حق ادا ہوجائے۔

دنیا والوں کے عرف میں سایہ اسے کہتے ہیں جو سورج کی گرمی اور تکلیف سے بچائے لیکن جنت کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: لا یرون فیھا شمسا ولا زمھریرا نہ اس میں سورج کی گرمی معلوم ہوگی نہ زمہریر کی سردی۔

جب وہاں سورج کی گرمی اور اس کی تکلیف واذیت نہیں تو اس سے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جس کے لیے سایہ کی ضرورت ہو۔

ہاں! البتہ اس میں ایسا سایہ ضرور ہے جو ہر طرف پھیلا ہوا ہے، جس میں کسی سایہ دار چیز کا سایہ نظر نہیں آتا۔ دیکھیے سورۂ واقعہ میں "وظل ممدود" یعنی جنتی جنت میں ایسے سایہ میں ہوں گے جو ہر طرف پھیلا ہوا، دائم اور غیر منقطع ہوگا،، تفسیر مدارک میں اسی آیت کے تحت ہے:

(وظل ممدود) ممتد منبسط کظل مابین طلوع الفجر وطلوع الشمس۔ انتہی۔ (تفسیر مدارک، جلد ۴، ص ۱۶۳، مطبوعہ مصر)

یعنی جنتی جنت کے ایسے سایہ میں ہوں گے جو لمبا اور ہر طرف پھیلا ہوا ہوگا، جیسے صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیانی وقت میں طویل، ہلکا اور چاروں طرف پھیلا ہوا خوشگوار سایہ ہوتا ہے۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے:

"(وظل ممدود) ای ممتد منبسط کظل الطلوع والغروب لا یتقلص ویحتمل ان یراد انه دائم باق لا یزول ولا تنسخه الشمس والعرب تقول لکل شئی طویل لا ینقطع انه ممدود"۔ انتھی۔

(تفسیر نیشاپوری، پ ۲۷، ص ۸۹، مطبوعہ مصر)

ترجمہ: اور ظل ممدود سے مراد یہ ہے کہ جنت کا سایہ دراز اور ہر طرف پھیلا ہوا ہوگا جیسے طلوع اور غروب کے وقت ہر طرف پھیلا ہوا ہلکا، دراز اور خوشگوار سایہ ہوتا ہے، وہ سایہ ایسا ہوگا کہ نہ سمٹے گا نہ سکڑے گا اور اس امر کا

بھی احتمال ہے کہ "ظل ممدود" سے یہ مراد لیا جائے کہ جنت کا سایہ ایسا دائم وباقی ہے جو کبھی زائل نہ ہو، اور سورج بھی اسے منسوخ نہ کرے گا (کیونکہ وہاں سورج کا وجود ہی نہ ہوگا) اور اہلِ عرب، ہر ایسی طویل چیز کو ممدود کہتے ہیں جو کبھی منقطع نہ ہو۔ انتہی۔

قرآن کریم کی ان دونوں آیتوں اور مفسرین کی تصریحات کی روشنی میں ثابت ہوگیا کہ جنت میں ہر طرف طویل ودائم اور غیر منقطع سایہ پھیلا ہوا ہے، اور سایہ کی جگہ میں کسی کا سایہ نظر نہیں آتا، لہٰذا اچھی طرح واضح ہوگیا کہ "رأیت ظلی وظلکم" کے یہ معنی ہرگز درست نہیں ہوسکتے کہ "میں نے (جنت میں) اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا"۔

ایک اشکال اور اس کا حل

اس مقام پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے جس کا جواب نہایت ضروری ہے، وہ یہ کہ قرآن وحدیث میں کئی جگہ جنت کے درختوں کا سایہ مذکور ہے اگر سایہ کی جگہ کسی چیز کا سایہ نہیں ہوسکتا تو جنت میں وہاں کے درختوں کا سایہ کیسے ہوگا؟

اس کا جواب امام فخر الدین رازی، علامہ ابوسعود اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے دیا ہے جو ان ہی کی عبارات میں ہم نقل کرکے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں آیۂ مبارکہ "ودانیة علیهم ظلالها" کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

"(السوال الثانی) الظل انما یوجد حیث توجد الشمس فان کان لا شمس فی الجنة فکیف یحصل الظل هناك (والجواب) المراد ان اشجار الجنة تکون بحیث لو کان هناك شمس لکانت تلك الاشجار مظلة منها"۔ انتهٰی

(تفسیر کبیر، جلد ۸، ص ۳۹۶، مطبوعہ مصر)

ترجمہ: آیت میں دوسرا سوال یہ ہے کہ سایہ وہیں پایا جاتا ہے جہاں سورج ہو، جنت میں جب سورج نہیں تو درختوں کا سایہ کیسے ہوگا؟

(الجواب) مراد یہ ہے کہ جنت کے درخت اس حیثیت سے ہوں گے کہ اگر وہاں سورج ہوتو وہ اس کی وجہ سے سایہ دار ہو جائیں۔انتہی ۔

۲۔ علامہ ابو سعود اسی آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

"علی معنی انہ لو کان هناك شمس موذیة لكانت اشجارها مظلة علیهم مع انہ لا شمس ثمة ولا قمر"۔ انتہی ۔

(تفسیر ابو سعود بہامش کبیر، جلد ۸، ص ۳۹۶، مطبوعہ مصر)

ترجمہ: (''جنت کے درختوں کے سائے جنتیوں پر جھکے ہوں گے'') یہ کلام اس معنی پر محمول ہے کہ اگر وہاں دھوپ کی تکلیف ہوتو وہ درخت جنتیوں پر اپنے سائے ڈالنے لگیں باوجود اس کے کہ وہاں نہ سورج ہے نہ چاند (جس کی وجہ سے سایہ ہو)۔انتہی ۔

۳۔حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری میں فرماتے ہیں:

''(فی ظلها) ای فی نعیمها وراحها ومنه قولهم "عیش ظلیل" وقیل معنی ظلها ناحیتها واشار بذلك الی امتدادها ومنه قولهم انا فی ظلك ای ناحیتك قال القرطبی والمحوج الی هذا لتاویل ان الظل فی عرف اهل الدنیا مایقی من حر الشمس واذاها ولیس فی الجنة شمس ولا اذیً"۔ انتہی ۔

ترجمہ: (''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جنت میں ایک درخت ہے جس کے ظل میں کوئی شخص سوار ہو کر سو برس تک چلتا رہے تو اسے قطع نہ کر سکے، اس حدیث میں'') ''فی ظلها'' کے معنی ہیں فی نعیمها وراحتها (یعنی اس نعمتوں اور راحتوں میں) اور اسی معنی سے اہلِ عرب کا یہ قول ماخوذ ہے "عیش ظلیل"(نعمت وراحت کی زندگانی) اور بعض نے کہا کہ یہاں "ظل" بمعنی "ناحیه" ہے (یعنی گردونواح) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ اس درخت کی درازی کی طرف اشارہ فرمایا یعنی وہ درخت اتنا بڑا

اور لمبا ہوگا کہ اس کے گردونواح کی مسافت سو برس تک بھی کسی سوار سے طے نہ ہو سکے گی، اور اسی معنی سے اہلِ عرب کا یہ قول ماخوذ ہے "انا فی ظلك" یعنی میں تیرے گردونواح (قرب وجوار، حفظ وامان) میں ہوں، قرطبی نے کہا اس تاویل کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ اہلِ دنیا کے عرف میں ظل وہ ہے جس کے ذریعے سورج کی گرمی اور اس کی تکلیف سے بچاؤ حاصل کیا جائے، جنت میں نہ سورج ہوگا نہ اس کی تکلیف (اس لیے وہاں اس سے بچاؤ کے لیے کسی چیز کے سایہ کی ضرورت ہی نہیں)۔ انتہی

الحمدللہ! جنت میں کسی سایہ دار چیز کا سایہ نہ ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا۔ اَب ہمارے اس بیان کو بیانِ سابق سے ملا کر نتیجہ ذہن نشین کر لیجیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو "حتیٰ رأیت ظلی وظلکم" فرمایا یہ اس واقعہ کا بیان ہے جو مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی میں عین نمازِ فجر کے درمیان پیش آیا تھا، جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے حقیقی جنت ودوزخ کا پیش کیا جانا مذکور ہے۔ اس وقت حضور اور صحابہ مسجد نبوی میں تھے اور دوزخ وجنت حضور کے پیش نظر تھے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو چیز دیکھی وہ مسجد نبوی میں ہوگی یا دوزخ میں یا جنت میں، اس کے علاوہ اور کسی جگہ کچھ دیکھنا متصور نہیں۔ اگر حضور نے اپنا اور صحابہ کا سایہ مسجد نبوی میں دیکھا تو یہ ممکن نہیں، اس لیے کہ وہ فجر کا وقت تھا اس وقت کسی سایہ دار چیز کا سایہ ظاہر نہیں ہوتا۔

اور اگر بفرضِ محال مان بھی لیا جائے کہ اس وقت سایہ ظاہر تھا تو اسے تمام حاضرین دیکھ رہے ہوں گے۔ حالانکہ یہ دیکھنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے خاص تھا جیسا کہ الفاظِ حدیث "حتیٰ رأیت ظلی وظلکم" (یہاں تک کہ میں نے اپنا اور تمہارا ظل دیکھا) میں لفظ حتیٰ (یہاں تک) سے ظاہر ہے، کیونکہ حتیٰ بیان غایت کے لیے آتا ہے اور یہ غایت جنت ودوزخ دیکھنے کی ہے جس طرح مُغیا (جنت ودوزخ کا دیکھنا) حضور کے ساتھ خاص ہے۔ اسی طرح اس کی غایت (ظلی وظلکم کا دیکھنا) بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ مختص ہوگا، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ نمازِ فجر کے وقت کسی کا سایہ نہ تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا اور صحابہ کا

ظل مسجد نبوی میں ہر گز نہیں دیکھا۔

اس کے بعد دو چیزیں رہیں دوزخ اور جنت، بیان سابق میں ہم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ سایہ روشنی میں ظاہر ہوتا ہے اور جہنم سیاہ اور تاریک ہے اس لیے اس میں بھی سایہ ظاہر نہیں ہوسکتا۔ اَب رہی جنت تو اس کے متعلق بھی ہم نے آیاتِ قرآنیہ وعباراتِ مفسرین سے ثابت کردیا کہ جنت میں کسی سایہ دار چیز کا سایہ ظاہر نہیں ہوتا۔ اَب بتایئے کہ اگر ظلی و ظلکم میں لفظ ظل کے معنی سایہ ہیں تو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہاں دیکھا؟ لہٰذا تسلیم کرلیجیے کہ یہاں سایہ کے معنی مراد نہیں بلکہ وہی ''شخص'' کے معنی مراد ہیں جو اس سے قبل دلائل وبراہین کی روشنی میں ہم ثابت کر چکے ہیں اور حدیث کے واضح معنی یہ ہیں کہ میں نے دوزخ وجنت کو دیکھا یہاں تک کہ (جنت میں) اپنے اور تمہارے اشخاص کریمہ کو بھی دیکھا، غایت ما فی الباب یہ کہ جنت ودوزخ کو ان کے وجودِ مثالی پر محمول کردیا جائے تب بھی "ظلی و ظلکم" سے اشخاصِ مثالیہ مراد ہوں گے، جسمانی تاریک سایہ اس تقدیر پر بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔ واللہ الحجۃ البالغہ.

انصاف کیجیے

یہ تینوں حدیثیں جو مخالفین نے حضور سیّد عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا جسمانی سایہ ثابت کرنے کے لیے پیش کی ہیں۔ اگر واقعی ان کے دعویٰ کی مثبت ہوتیں تو وہ جلیل القدر علما محدثین ومفسرین جن کے اسما گرامی، ہم عرض کر چکے ہیں کس طرح حضور کے سایہ کی نفی کرتے، شاید آپ کہہ دیں کہ یہ حدیثیں ان سے مخفی رہیں، تو میں عرض کروں گا کہ یہ امر ہر گز قابلِ تسلیم نہیں کہ ایسے ماہرین حدیث ائمۂ دین سے آپ کی پیش کردہ حدیثیں مخفی رہی ہوں۔ دیکھیے آپ کی پیش کردہ حدیث ''حتی رأیت ظلی و ظلکم'' کو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ میں لکھا، مگر اس کے باوجود اسی خصائص کبریٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا باب منعقد کیا اور روایات وعبارات علما سے اپنے دعویٰ کو ثابت و مؤید کیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمانی سایہ سے پاک ہونے کو آفتاب سے زیادہ روشن کردکھایا۔

معلوم ہوا کہ مخالفین کی پیش کردہ احادیث سے یہ ائمۂ حدیث بے خبر نہ تھے۔

پھر یہ کہ آج سے پہلے کسی نے ان حدیثوں سے حضور علیہ السلام کا سایہ ثابت نہیں کیا، حتیٰ کہ علامہ ابن قیم کو بھی یہ جرأت نہ ہوئی۔ حالانکہ ان سے پہلے اکابر محدثین متقدمین کے وہ تمام ارشادات ان کے سامنے موجود تھے، جن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نور خالص ہونے کی وجہ سے حضور کے سایہ نہ ہونے پر استشہاد کیا گیا ہے۔ جیسے حکیم ترمذی (متوفی ۲۵۵ھ)، عبداللہ بن مبارک (متوفی ۱۸۱ھ)، امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ)، حافظ رزین محدث (متوفی ۵۲۰ھ)، علامہ ابن سبع (متوفی)، قاضی عیاض (متوفی ۵۴۴ھ)، علامہ ابن جوزی محدث (متوفی ۵۹۷ھ)، مولانا جلال الدین رومی (متوفی ۶۷۰ھ)، علامہ احمد نسفی صاحب تفسیر مدارک (متوفی ۷۰۱ھ)، یہ سب علمائے اعلام علامہ ابن قیم (متوفی ۷۵۲ھ) سے متقدم ہیں اور ان سب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسمانی سایہ کی نفی فرمائی ہے لیکن علامہ ابن قیم نے حدیث ''ظلی و ظلکم'' سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جسمانی سایہ ثابت کر کے ان حضرات کا رد نہیں کیا۔

علیٰ ہذا القیاس علامہ ابن قیم کے بعد ہونے والے اجلہ محدثین مثلاً امام جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ)، امام قسطلانی (متوفی ۹۲۳ھ)، علامہ حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۹۶۶ھ)، امام ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۳ھ)، علامہ شہاب الدین خفاجی (متوفی ۱۰۶۹ھ)، امام زرقانی (متوفی ۱۱۲۲ھ)، علامہ سلیمان جمل، علامہ ابراہیم بیجوری، علامہ برہان الدین حلبی وغیرہم نے ابن قیم کی کتاب حادی الارواح میں حدیث ''ظلی و ظلکم'' دیکھنے کے باوجود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسمانی سایہ کا قول نہیں کیا، اور بدستور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نورا اور بے سایہ مانتے رہے، اور اسی مسلک کا بیان اپنی تصانیف جلیلہ میں کرتے رہے جیسا کہ ہم ان کے بیانات سابقاً نقل کر چکے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ تینوں حدیثیں متقدمین و متاخرین میں سے کسی کے نزدیک بھی حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسمانی سایہ کی دلیل نہیں۔ والحمد للہ علیٰ احسانہ۔

اس کے بعد قرآن مجید کی ان تینوں آیات پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیے، جنہیں معترض نے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تاریک جسمانی سایہ کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

اِن میں سے تیسری آیت میں تو کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا ترجمہ ''سایہ'' ہو۔ اس آیت کے معنی صرف یہ ہیں کہ ''زمین و آسمان کی ہر چیز اور زمین پر چلنے والی تمام مخلوق اور کل ملائکہ اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔''

غور فرمائیے! دعویٰ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمِ اقدس کا تاریک سایہ تھا اور دلیل یہ ہے کہ ''تمام آسمانوں والے اور زمین پر چلنے والی سب چیزیں اور کل فرشتے اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتے ہیں'' جس کلام کا ایک لفظ بھی دعویٰ پر منطبق نہ ہو اُسے دلیل سمجھنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

رہیں پہلی دو آیتیں، تو ان کا مفہوم یہ ہے کہ زمین و آسمان کی سب چیزیں اور ان میں سایہ دار اجسام کے سائے اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔

(یہ معنی اس تقدیر پر ہیں کہ آیت کریمہ میں ''ظلال'' کے معنی ''سائے'' کے لیے جائیں اور اگر ظلال کا ترجمہ اشخاص کیا جائے جیسا کہ تفسیر مظہری، جلد ۵، ص ۱۷ سے ہم نقل کر چکے ہیں تو اس صورت میں یقیناً مخالفین کے استدلال کی اصل بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔)

دیکھیے تفسیر خازن میں ہے: (یتفیئو ظلالہٗ) یعني من جسم قائم لہٗ ظل.

(تفسیر خازن، جلد رابع، ص ۷۷)

اسی طرح تفسیر معالم التنزیل میں ہے:

(الیٰ ما خلق اللہ من شئی) من جسم قائم لہٗ ظل.

(تفسیر معالم التنزیل، جلد رابع، ص ۷۷)

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ ہوتا تو یقیناً اس کا سجدہ کرنا بھی ثابت ہو جاتا، لیکن جسمِ اقدس کے سایہ کے ثبوت سے آیہ کریمہ کا دُور کا تعلق بھی نہیں۔

اور اگر بفرضِ محال مان بھی لیا جائے کہ ان آیتوں سے حضور علیہ السلام کے جسم اقدس کا سایہ ثابت ہے تو پھر تمام بے سایہ چیزوں کا سایہ ثابت ہوگا، ملائکہ، حورانِ بہشت، چاند، سورج اور تمام حسّی حقیقی انوار کا سایہ ماننا پڑے گا۔

جب یہ بداہۃً باطل ہے تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سایہ کا ثبوت بھی

اسی طرح باطل محض ہے۔

ہاں! اگر یہاں ظل سے ایک عام معنی مراد لے لیے جائیں یعنی اجسامِ کثیفہ کا تاریک سایہ اور اجسامِ لطیفہ نورانیہ کی چمک اور شعائیں، تو یہ ہمارے مسلک کے منافی نہیں کیونکہ ہم اس سے قبل احادیثِ صحیحہ سے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کی چمک سے دیواروں کا روشن ہوجانا ثابت کر چکے ہیں۔ لہٰذا ان آیات سے ہمارے مسلک کی تائید ہوگی، اور یہ آیات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تاریک سایہ کی بجائے روشنی اور نورانیت کی مؤید قرار پائیں گی۔ فالحمد اللہ علیٰ ذلك۔

بفضلہٖ تعالیٰ معترضین کے تمام شکوک وشبہات کا تارِ عنکبوت سے زیادہ کمزور ہونا اظہر من الشّمس ہوگیا، اور امام اہلِ سنت، مجدد ملت حضور پرنور اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ مبارکہ نفی الفئی عمن انار بنورہ کل شئی پر وارد کیے ہوئے جملہ اعتراضات ھباءً منثوراً ہوگئے، اور یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہوگئی کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیفِ جلیلہ کی پھبتیاں اُڑانا اور ان پر اعتراض کرنا گویا سورج کو منہ چڑانا اور چاند پر تھوکنا ہے، جس کا انجام ذلت اور ندامت کے سوا کچھ نہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ ونور عرشہٖ سیّدنا ومولانا محمد وآلہٖ وصحبہٖ وبارك وسلّم تسلیماً کثیرا۔

فقیر سیّد احمد سعید کاظمی غفرلہٗ

السعید کے "ظل نمبر" پر عامر عثمانی صاحب کے تعاقب کا جواب

نگاہ نور کی حامل نہ ہو تو کیا کہیے
فروغ گیر کوئی دل نہ ہو تو کیا کہیے
یہ زندگی، یہ حرارت، یہ معرفت، یہ نگاہ
کسی میں جوہر قابل نہ ہو تو کیا کہیے

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سایہ کا مسئلہ ضروریاتِ دین سے نہ تھا بلکہ مسائلِ ظنیہ میں بھی اس کی حیثیت فضائل ومناقب سے زیادہ نہ تھی، ایسے مسائل پر ہنگامہ آرائی اور طول نگاری ایک بے معنی سی بات تھی۔

لیکن ذاتِ انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نورانیت کے منکروں نے نامعلوم اسباب کی بنا پر حضور کی ذاتِ مقدسہ کے لیے مادّی ظلمت وکثافت اور جسمانی نجاست وغلاظت ثابت کرنے اور جسم اقدس کا تاریک سایہ زبردستی منوانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور اس موضوع پر متعدد رسائل وجرائد میں پے درپے مضامین آنے شروع ہو گئے۔

فقیر اس غوغہ آرائی سے بالکل بے خبر تھا، اچانک احباب کے کئی خطوط جن میں مخالفین اور منکرینِ کمالاتِ نبوت کے دلائل ومضامین کے چند مختصر نوٹ درج تھے۔ چونکہ جواب کے لیے شدید اصرار کیا گیا تھا، اس لیے وہی مختصر نوٹ سامنے رکھ کر جواب لکھا گیا، اور طویل ہو جانے کے باعث "السعید" کے دو پرچوں (بابت ماہ اپریل ومئی ۱۹۶۰ء) کا مجموعہ قرار دے کر اسے اواخر اپریل میں "ظل نمبر" کے نام سے شائع کر دیا گیا، اور محض نیک نیتی کی بنا پر ان لوگوں کو خاص طور پر بھیجا گیا، جنہوں نے حضور سیّد عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نورانیت کا انکار کر کے جسمِ اقدس کے لیے معاذ اللہ تاریک سایہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ میرا مقصد یہ تھا کہ نفی واثبات کے تمام دلائل اور اپنا جائزہ ان لوگوں کے سامنے رکھ دیا جائے تاکہ ان پر بھی حق واضح ہو جائے اور شاید وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آ کر حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور قائلینِ نورانیت حضور مزید روشنی قلب حاصل کریں، مگر بمصداق یضل بہ

کثیرا ویھدی بہ کثیرا، منکرین کی ضلالت میں مزید تاریکی وظلمت پیدا ہوئی اور معتقدین کے قلوب روشن ومنور ہو گئے۔

دیوبند میں کوئی عامر صاحب ہیں، اس سے پہلے کبھی ان کا نام تک سننے میں نہ آیا تھا مگر اس وقت وہ اپنی مخصوص جارحانہ طرزِ نگارش کے آئینے میں ہمارے سامنے بے حجاب ہو کر آرہے ہیں، اور آہستہ آہستہ ناظرین کے سامنے بھی بے نقاب ہوتے چلے جائیں گے۔

جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے حقیقت یہ ہے کہ نورانیت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے منکرین اور جسم اقدس کے لیے تاریک سایہ ماننے والوں کا کوئی رسالہ یا اخبار ''رسالہ ظل نبی'' کے سوا فقیر کی نظر سے نہیں گزرا بلکہ احباب کے خطوط میں ان کے بعض اقتباسات سامنے آئے جن کا جواب میں نے لکھا تھا اور آغازِ مضمون میں اس کا اظہار بھی کر دیا تھا، لیکن عامر صاحب نے بفحوائے ''المرء یقیس علی نفسہ'' اس اظہارِ حقیقت کو میری بد دیانتی پر محمول کیا۔ چنانچہ میری عبارت نقل کر کے اس پر تعاقب کرتے ہوئے جون ۱۹۶۰ء کے پرچہ میں رقمطراز ہیں:

> ''سایہ نہ ہونے کے فتوے پر نقد فروری ومارچ ۱۹۵۹ء کے تجلی میں شائع ہوا تھا، گویا ایک سال سے بھی زیادہ گزرا، اس کے بعد اگر کبھی تجلی میں اس موضوع کا ذکر آیا ہے تو محض ضمناً اور سرسری، اَب سوا سال بعد اپریل ومئی ۶۰ء میں کاظمی صاحب کا یہ ظاہر کرنا کہ احباب نے بس تقریباً ایک ہی مہینے سے توجہ دلائی اس قدر عجیب ہے کہ قیاس ودرایت کا کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اس اظہار سے شاید یہ تاثر دینا مقصود ہے کہ سایہ نہ ہونے کے بارے میں تجلی یا کسی اور نے جو دلائل سامنے رکھے ہیں ان کی کمزوری واضح کرنے میں ہمیں کسی طویل فکر وتلاش کی احتیاج نہیں ہوئی بلکہ ہم تو اطلاع ملتے ہی انہیں اُدھیڑ کر پھینکے دے رہے ہیں اور اپنے عقیدہ ومسلک کے اثبات میں بے شمار دلائل قاطعہ کا انبار چشم زدن میں آگے رکھ رہے ہیں، یہ تاثر ہے شاندار معلوم نہیں فقہ اسے گنہ وثواب کے کس خانہ میں رکھے گی''۔

(ماہنامہ تجلی، دیوبند، جون ۱۹۶۰ء، ص ۴۵)

جواباً گذارش ہے کہ آپ نے محض سوءِ ظن کی بنا پر جس تاثر دینے کو میری طرف منسوب کیا ہے اور اس کے لیے فقہ کے گناہ و ثواب کے خانے ٹٹولے ہیں بفضلہٖ تعالیٰ میرے ذہن کے کسی گوشے میں اس کا تصور تک نہیں، البتہ اس بدگمانی کی وجہ سے، بمقتضائے ''ان بعض الظن اثم'' کتاب اللہ نے آپ کے اس تاثر کو یقیناً گناہ کے خانے میں رکھ دیا ہے۔ اے کاش آپ ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرتے تو آپ کا قیاس مع الفارق اور درایت بے بصیرت کا کلیجہ منہ کو نہ آتا، اس کے بعد آپ نے میرے ایک اور فقرے پر طنز کرتے ہوئے لکھا ہے:

''سب جانتے ہیں اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی کو اپنا مقتدا ماننے والوں کی تعداد ہند و پاک میں آٹے میں نمک کے برابر ہوگی، یا چلیے آٹے میں بھوسی کے برابر کہہ لیجیے''۔ الخ

(ماہنامہ تجلی، دیوبند، جون ۱۹۶۰ء، ص ۴۵)

جی صحیح فرمایا، اعلیٰ حضرت کو اپنا مقتدیٰ ماننے والوں کی تعداد آٹے میں بھوسی کے برابر سہی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم اقدس کا تاریک سایہ ماننے والوں کی تعداد تو ساری دنیا میں زیادہ سے زیادہ آٹے میں گھن کے برابر ہوگی یا چلیے آٹے میں چوہوں کی مینگنیوں کے برابر کہہ لیجیے، پھر آپ کی یہ تعلیاں کس بل بوتے پر؟

عامر صاحب خودستائی نہیں بلکہ تحدیثِ نعمت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

''ہمارے نقد نے بفضلہٖ تعالیٰ ایک خلافِ واقعہ عقیدے کی بیخ کنی اس مضبوطی کے ساتھ کی تھی کہ کسی غیر جانب دار اور انصاف پسند قاری کے لیے ریب و شک کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی''۔ الخ

(ماہنامہ تجلی، دیوبند، جون ۱۹۶۰ء، ص ۴۳)

جس نقد میں کسی قاری کے لیے ریب و شک کی گنجائش نہ رہ گئی ہو اگر آپ اسے ''لاریب فیہ'' بھی کہہ دیں تو ہم اس کہنے سے بھی اس کو خودستائی نہیں بلکہ تحدیث نعمت پر ہی محمول کر لیتے، لیکن سوال یہ ہے کہ ''ریب و شک'' کیفیاتِ قلبیہ سے ہے اور قلبی کیفیات اُمورِ غیبیہ، یہ غیب دانی کا مالِ غنیمت آپ کو کہاں سے ہاتھ لگ گیا جس پر تحدیث نعمت فرمائی

جا رہی ہے، مگر نہیں، الفاظ کو چھوڑیئے آپ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ہم نے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم اقدس کے لیے مادی کثافتیں ثابت کیں اور حسّی نورانیت کی نفی کر کے حضور کا تاریک سایہ ثابت کیا، ہمارا یہ کارنامہ ایک نعمت ہے جس کا شکریہ ہم تحدیثِ نعمت کی صورت میں ادا کر رہے ہیں۔

اُف رے بے باکی اور دریدہ ذہنی ان گستاخوں کو ابھی تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ''نعمت اللہ'' خود حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں جن کی نورانیت لطافت اور پاکیزگی درحقیقت ان کے معجزات، معالم نبوت اور دلائل رسالت ہیں جن کا انکار نعمت اللہ کو بدلنا اور الذین بدلوا نعمة الله کفراً کا مصداق بنتا ہے۔

عامر صاحب نے اپنی طویل تمہید میں طعن و تشنیع کی بھرمار کرتے ہوئے جس طنز و تمسخر کے ساتھ اپنی ذہنیت کا اظہار کیا ہے ہمیں اس کا شکوہ نہیں۔

دشنام اگر دہد...... چارہ نبود بجز شنیدن

ہمیں ان کے اندازِ نگارش سے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ تکبر و تعلیٰ، نخوت و غرور، سب و شتم، طعن و تشنیع ان کی طبیعت ثانیہ ہے۔ ع

''مقتضائے طبیعتش ایں است''

البتہ افسوس اس بات کا ہے کہ انہوں نے اپنی تمہید میں حقائق کو توہمات، ہدایت کو ضلالت، علم و عقل کو جہالت، استدلال کو تُک بندی کہہ کر ایک حقیقت کو جھٹلانے کی مذموم کوشش کی ہے اور اہلِ سنت کے مسلک کے ساتھ شدید تمسخر ہی نہیں بلکہ انتہائی بددیانتی کے ساتھ نہایت مکروہ صورت میں مسخ کر کے پیش کیا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم اقدس کے تاریک سایہ سے مبرّا ماننے والوں کے حق میں نہایت نازیبا الفاظ لکھے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کے لیے عوام کی طرح جسمانی ظلمتوں، نجاستوں اور غلاظتوں کو ثابت کرنے کے لیے پیشاب، پاخانہ، تھوک اور منی کا ذکر انتہائی بے حیائی، بے باکی اور دریدہ دہنی کے ساتھ کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نورانیت و لطافت اور تاریک سایہ سے جسم اقدس کے مبرا ہونے کے مسئلے کو اسلامی اور

مذہبی نظر سے نہیں بلکہ خالص مادّہ پرستی کی آنکھ سے دیکھا ہے۔

انہوں نے ہمارے تعاقب میں بے راہ روی کے باعث ٹھوکریں بھی ایسی کھائی ہیں کہ ان شاء اللہ عمر بھر کراہتے رہیں گے۔ (جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے)

ان ٹھوکرں کی اصل وجہ یہ ہے کہ جس مقصد کے لیے قدرت نے جو طریقِ کار مقرر کیا ہے اس کی خلاف ورزی ہمیشہ ایسے ہی مہلک نتائج پر منتج ہوا کرتی ہے۔ برائی کی راہوں پر چل کر اچھائی نہیں ملا کرتی، شمال کی طرف رُخ کر کے چلنے والا کبھی مشرق نہیں پہنچ سکتا، اسلامی مسائل کو جاہلیت کے اصول پر نہیں پرکھا جاسکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت مطہرہ کا مادّی کثافتوں اور تاریک سایہ سے پاک ہونا خالص دینی اور مذہبی مسئلہ تھا، مگر عامر صاحب نے مذہبیات سے ہٹ کر لامذہبیات کی دنیا میں اس کا جائزہ لیا اور اسلامی مسئلے کو خالص غیر اسلامی نظر سے دیکھا۔ اس میدان میں ان کا اندازِ فکر قطعاً لادینی طرز کا ہے۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کین رہ کہ میروی بہ ترکستان است

عامر صاحب نے اکمل واحسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیاس دیگر ظلماتی مادّیات پر کیا، اور اس فاسد بنیاد پر فساد کی عمارت کھڑی کردی۔ انہوں نے شرعیات واسلامیات سے منہ پھیر کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سایہ نہ ہونے کے معجزے اور دلیلِ نبوت کو مادّیات وطبعیات کی تاریکیوں میں تلاش کرنا شروع کردیا۔ دیکھیے وہ لکھتے ہیں:

"ٹھوس اشیا کا روشنی کے پھیلاؤ میں حائل ہوکر سایہ دینا طبعیات کا مسئلہ ہے، اس سے آیاتِ الٰہیہ کا کوئی رابطہ نہیں"۔

(ماہنامہ تجلی، دیوبند، جون ۱۹۶۰ء، ص ۵۳)

دیکھا آپ نے! عامر صاحب کے چلتروں نے بیک جنبشِ قلم ایک شرعی مسئلے کو طبعیاتی مسئلہ بنادینے اور آیاتِ الٰہیہ سے اس کا ربط توڑ پھوڑ کر رکھ دینے کی کتنی بیباکانہ جسارت کی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی کئی آیتوں سے یہی لوگ سایہ ہونے پر دلیل لایا کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ استدلال باطل ہے یا وہ قرآنی آیات معاذ اللہ آیاتِ الٰہیہ نہیں، بالفرض اگر

آپ کے نزدیک واقعی اس مسئلے کو آیاتِ الٰہیہ سے کوئی رابطہ نہیں تو پھر ہمارے تعاقب میں آپ کا پوری بائیس آیتیں لکھنا قرآن مجید کے ساتھ تمسخر نہیں تو کیا ہے؟ طبعیاتی مسائل کو سامنے رکھ کر آیاتِ الٰہیہ سے کھیلنا خدا اور رسول کے ساتھ مذاق کرنا ہے۔ کوئی شخص جس کے دل میں ادنیٰ درجے کا خوفِ خدا ہو وہ ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔

شرعیات کو طبعیات، الٰہیات اور اسی طرح ریاضیات کے سانچے میں ڈھالنا ہی وہ اندازِ فکر ہے جس کی بنا پر ملاحدہ نے وجودِ صانع، توحید باری، نبوت و رسالت، ملائکہ کرام، معجزات و خوارقِ انبیا علیہم السلام کا انکار کیا اور معاذ اللہ معظمات دینیہ کا مذاق اُڑایا۔

نیچریوں نے تمام معجزات و خوارقِ انبیا علیہم السلام بالخصوص معراجِ جسمانی کا انکار ان طبعیات کے ظلمات میں کھوئے جانے کے باعث کیا۔ مادّہ پرستوں نے قیامت، حشر و نشر، جزا و سزا، دوزخ و جنت وغیرہ حقائقِ غیبیہ پر ایمان رکھنے کو فرضی مزعومات، باطل و فاسد توہمات کہہ دیا۔ مرزائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اُٹھائے جانے اور اَب تک وہاں زندہ رہنے اور قربِ قیامت میں نازل ہونے کے اعتقاد کو اسی طبعیات کی دلدل میں پھنس کر معاذ اللہ لغو اور بے ہودہ تخیلات، اوہام پرستی، جہالت و حماقت قرار دے دیا۔

آج اسی طبعیات و مادّیات کے سہارے پر بالکل وہی اندازِ فکر لے کر آپ بھی اُٹھے ہیں اور آپ نے اسی طرح مسائلِ شرعیہ اور کمالاتِ نبویہ کے ساتھ تمسخر شروع کیا ہے، جس طرح معتقداتِ اسلامیہ کے ساتھ آپ کے پیش رو جاہلیت اور مادہ پرستی کی تاریکیوں میں مبتلا رہنے کے باعث اَب تک تمسخر کرتے چلے آئے ہیں۔

جاہلی نظریات اور مادّہ پرستی کی ظلمت ہی کا نتیجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے پر قرآن و حدیث کے سورج سے زیادہ چمکتے ہوئے دلائل، ائمۂ سلف کی واضح عبارات موجود ہوتے ہوئے ملاحدہ کی اتباع میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت اور جسمانیت کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ ہونے کی اٹل دلیل سمجھ لیا گیا، اور دلائلِ شرعیہ کو یہ کہہ کر پس پشت ڈال دیا گیا کہ "روشنی میں ٹھوس مادّی چیزوں کا سایہ ہونا طبعیاتی مسئلہ ہے آیاتِ الٰہیہ سے اس کا کوئی رابطہ نہیں۔

جو لوگ! اپنے سینے میں ایمان و ایقان کے جلوے رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات،

صفات، اس کی قدرت وحکمت پر ان کا ایمان ہے، ان کے نزدیک قدرتِ خداوندی سے یہ امر ہرگز بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشریت اور جسمانیت کو اتنا منور اور لطیف کر دے کہ جسمانی کثافتیں بالکل دُور ہو جائیں، حتیٰ کہ تاریک سایہ بھی باقی نہ رہے۔

افسوس ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ معاذ اللہ ظلم وکذب، جیسے بدترین عیوب ونقائص کو اللہ تعالیٰ کے لیے ممکن مان کر ان کا تحتِ قدرت ہونا تسلیم کر لیتے ہیں، لیکن جسمانیت و بشریتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ سے پاک ہونا ان کے نزدیک ایسا امرِ محال ہے جس پر ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ قادر ہی نہیں، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ عامر صاحب کی اخلاقی پستی اور کم حوصلگی قابلِ دید ہے کہ اپنے جس پرچے میں ہمارے مضمون پر تعاقب کیا تھا، اس کی ایک کاپی تک ہمیں نہ بھیجی حالانکہ ہم نے "ظل نمبر" ان کے پاس دیوبند بھیج دیا تھا، انہوں نے جون کے پرچے میں ظل نمبر پر تعاقب کیا تھا جس کا ہمیں کچھ علم نہ ہو سکا۔ حسنِ اتفاق سے ایک محترم دوست نے بذریعہ خط اطلاع دی کہ السعید کے ظل نمبر پر تعاقب کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس خط میں یہ اصرار تھا کہ اس کا جواب السعید ہی کے صفحات پر آنا چاہیے، تعاقب کی اطلاع پانے کے بعد کئی دن تک وہ پرچہ ہمیں نہ مل سکا۔ بالآخر مرزا ریاض احمد صاحب حافظ آبادی نے لاہور سے وہ رسالہ ہمیں بھیجا۔

جس کے دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ عامر صاحب ہمارے تعاقب میں اتنے بے تحاشا دوڑے ہیں کہ ٹھوکریں کھانے، گرنے پڑنے کا بھی انہیں احساس نہ ہوا اور ہانپتے کانپتے ہماری پیش کردہ دو آیتوں میں سے صرف ایک آیت کے جواب میں پورے اٹھارہ صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں۔ مگر جو لوگ محض طعن وتشنیع اور الفاظ کے اُتار چڑھاؤ سے مرعوب ہونے والے نہیں وہ ان کا مضمون پڑھ کر اندازہ کر سکتے ہیں کہ عامر صاحب نے چند بے تکے، سوقیانہ اور طنزیہ فقرے بول کر آفتاب سے زیادہ روشن اور پہاڑ سے زیادہ وزنی حقیقتوں کا منہ چڑایا ہے۔ جن لوگوں نے "ظل نمبر" میں میرے مضمون کو بغور پڑھا ہے وہ خوب سمجھتے کہ عامر صاحب کے تعاقب کا کوئی جز ایسا نہیں جس کا جواب دفع دخل مقدر کے طور پر میرے مضمون میں نہ آ گیا ہو اور اسی وجہ سے ان کا تعاقب قطعاً لائق التفات نہ تھا مگر صرف اس لیے اس کی

طرف توجہ کی گئی کہ عامر صاحب یا ان کے حواری کہیں اس خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ ہم نے ظلمت و کثافت کی جن بنیادوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سایہ ثابت کیا تھا انہیں کوئی ہلا نہ سکا۔ اس لیے مجبوراً ہمیں کچھ لکھنا پڑا، اور ان شاء اللہ آگے چل کر ناظرین کرام دیکھ لیں گے کہ عامر صاحب کا تعاقب علم و استدلال کے سمندر کی موجوں میں خس و خاشاک سے بھی زیادہ بے وقعت ہے۔

اہم ترین مسائلِ دینیہ میں بحث و تمحیص کے لیے پختہ کاری اور مظبوط علمی قابلیت کی ضرورت ہے۔ اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ عامر صاحب نے اپنے علم و استدلال اور قابلیت کے بڑے لمبے چوڑے دعوے کیے ہیں۔ آیئے! اصل مقصد سے پہلے لگے ہاتھوں ذرا ان کی علمی قابلیت کا تھوڑا سا جائزہ لیتے چلیں۔

عامر صاحب ''السعید'' سے میری ایک عبارت نقل کرنے کے بعد اس پر جرح کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

> ''آپ معمولی سا دعویٰ کریں تو معمولی دلیل بھی چل سکتی ہے، لیکن بہت بڑا دعویٰ کرنے کی صورت میں بہت مضبوط دلیل دینی ہوگی۔ آپ کہتے ہیں کہ فلاں شخص پر میرا ایک روپیہ قرض ہے تو اس قول کو بہت معمولی سی دلیل پر بھی قبول کیا جا سکتا ہے، لیکن آپ کہیں کہ زید پر میرے بیس ہزار روپئے قرض ہیں تو اس کے لیے معمولی شواہد اور دلائل کافی نہ ہوں گے بلکہ آپ کو صریح و محکم طور پر ثبوت لانا ہوگا اور اگر ذرا سی بھی شک کی گنجائش نکل آئی تو اس کا فائدہ مدعا علیہ کو پہنچے گا اور آپ کا دعویٰ منہ پر مار دیا جائے گا''۔
>
> (ماہنامہ تجلی، دیوبند، جون ١٩٦٠ء، ص ٤٨)

دعوے کے مطابق دلیل کا ہونا تو مسلمات میں سے ہے۔ آپ کی اس فضول اور اول جلول جرح سے آپ کا مقصد حاصل ہو سکتا ہے، نہ ہمارے مضبوط و مستحکم دلائل میں ضعف آ سکتا ہے۔ میں نے اپنے مضمون میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس مسئلے کی وضاحت کر دی تھی، اگر کوئی شپرہ چشم نہ دیکھے تو ہمارا کیا گناہ؟ دعوے کے مطابق دلیل نہ ہونے کی جو مثال

آپ نے لکھی ہے چشم بدور! وہ آپ کی علمی قابلیت کا قابل دید شاہکار ہے۔

اس کی مثال میں اگر آپ کہہ دیتے کہ مثلاً ایک شخص ضب (گوہ) کی حرمتِ قطعیہ کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کی دلیل میں کوئی محتمل اور ظنی دلیل قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ دعویٰ قطعیت کا ہے اس کی دلیل بھی قطعی ہونی چاہیے، مگر آپ نے یہ مثال صرف اس لیے نہیں لکھی کہ میں نے اپنے مضمون میں یہ سب کچھ بیان کر دیا تھا، اور یہ مثال بجائے آپ کے میرے حق میں مفید رہتی۔ لہٰذا آپ نے اس قسم کی مثال سے قصداً اعراض کیا اور اس کی بجائے ایک روپیہ اور بیس ہزار روپئے کی مثال کے چکر میں پھنس کر لکھ ڈالا کہ:

"آپ کہتے ہیں کہ فلاں شخص پر میرا ایک روپیہ قرض ہے تو اس قول کو بہت معمولی سی دلیل پر بھی قبول کیا جا سکتا ہے، لیکن آپ کہیں کہ کہ زید پر میرے بیس ہزار روپئے قرض ہیں تو اس کے لیے معمولی شواہد اور دلائل کافی نہ ہوں گے"۔

(ماہنامہ تجلی، دیوبند، جون ۱۹۶۰ء، ص ۴۸)

عامر صاحب! سبحان اللہ کیا مہاجنی ذہنیت کا اظہار کیا ہے آپ نے اس مثال میں۔ غالباً آپ فاضلِ دیوبند تو ہوں گے؟ فقہ پڑھنے والا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ حقوقِ مالیہ کے ثبوت میں جو شہادت شرعاً معتبر ہے وہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ہے۔ مال تھوڑا ہو یا بہت، ایک روپیہ ہو یا بیس ہزار، نصابِ شہادت ہر صورت میں یہی رہے گا۔ ذرا دار العلوم کے کتب خانہ سے ہدایہ، جلد ثالث نکلوا کر سامنے رکھیے اور تصورِ شیخ کی نوعیت سے ہمارا تصور کر کے یہ صریح عبارت پڑھیے۔

"وما سوىٰ ذلك من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين او رجلٍ وامرأتين سواء كان الحق مالاً او غير مالٍ مثل النكاح والطلاق والوكالة والوصية ونحو ذلك"۔ انتهى

"اور اس کے سوا باقی حقوق میں دو مردوں کی شہادت قبول کی جاتی ہے، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی، برابر ہے کہ حق مال ہو یا غیر مال، جیسے نکاح،

طلاق، وکالہ، وصیۃ''۔

پھر اسی ہدایہ جلد ثالث میں یہ عبارت بھی دیکھیے:

"ویقبل قوله فی القلیل و الکثیر لا کل ذلك مال فانه اسم لما یتمول به الا انه لا یصدق فی اقل من درهم لانه لا بعد مالاً عرفاً"۔ انتھی

''اس کا قول قلیل وکثیر میں مقبول ہوگا، اس لیے کہ یہ سب مال ہے جس چیز سے تمول کیا جائے، وہی مال ہے، ایک درہم سے کم پر وہ صادق نہ آئے گا، کیونکہ عرفاً وہ مال شمار نہیں کیا جاتا''۔

غور کیجیے، یہ عبارت اس مفہوم کو کس وضاحت کے ساتھ ادا کر رہی ہے کہ جو چیز مال ہو، اس کا قلیل وکثیر ہونا شہادت واقرار کی قبولیت وعدم قبولیت میں کوئی فرق پیدا نہیں کرتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ عرفاً مال ہو جیسے ایک روپیہ اور بیس ہزار روپے، یہ دونوں عرفاً مال ہیں، کیا عامر صاحب کتاب وسنت کی روشنی میں مجھے بتا سکتے ہیں کہ وہ کون سی معمولی دلیل ہے جس سے کسی پر ایک روپیہ کے قرضے کا دعویٰ ثابت ہو جائے اور بیس ہزار کا دعویٰ ثابت نہ ہو سکے۔ شرعیات اور مذہبیات کی روشنی میں تو ان شاء اللہ وہ قیامت تک نہ بتا سکیں گے۔ البتہ موجودہ دور کے لادینی اور بھارت کے مہاجنی طور طریقوں کو پیش نظر رکھ کر ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ کہہ بھاگیں۔ جس پر کوئی مذہبی آدمی کان نہیں دھر سکتا، نہ کوئی مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے اسے قبول کر سکتا ہے۔

عامر صاحب کی اس علمی مثال کے شاہکار کو دیکھ کر ناظرین کرام نے ان کی ٹھوس قابلیت اور علم واستدلال کا پوری طرح جائزہ لے لیا ہوگا اور اس حقیقت کو بھی اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ وہ دینی مسائل کو لادینی دلائل سے ثابت کرنے کی تلبیس میں کتنے ماہر ہیں، جس کی طرف اس سے پہلے بھی ہم اپنے ناظرینِ کرام کو متوجہ کر چکے ہیں۔

اَب اصل مقصد کی طرف آیئے اور دیکھیے کہ عامر صاحب نے ہمارے تعاقب میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کے عقیدہ کی شرعی حیثیت جو عامر صاحب کے نظریات کی روشنی میں ظاہر ہوئی ہے وہ ان کی حسب ذیل عبارت سے واضح ہے:

''سایہ ہونا نہ ہونا بظاہر ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں، لیکن عملی زندگی جن داخلی افکار و عقائد کے سہارے آگے بڑھتی ہے ان سے اس مسئلہ کا گہرا ربط ہے۔ بدعات و خرافات نے توحید و رسالت کے تصور کو جس قدر غبار آلود بنا دیا ہے وہ ایک تاریخی ٹریجڈی ہے جس کی کسک ہر درمند مومن بری طرح محسوس کرتا ہے۔ دیو مالائی انداز کے تصورات عامۃ المسلمین کے ذہنوں پر چھا گئے ہیں، واہی عقائد نے دل و دماغ کی بنیادیں کھوکھلی کر کے رکھ دی ہیں اور گمراہی و بے دانشی کا ایسا نقشہ فضائے ایمان پر چھا گیا ہے کہ عملی زندگی اور حقائق سے آنکھیں چار کرنے کا یارا ہی باقی نہیں رہ گیا۔ ایسے عالم میں کسی ایک بھی گمراہ کن عقیدہ کو اُکھاڑ پھینکنا اور توحید و رسالت کے عارض سے جتنی بھی گرد ہو سکے جھاڑ دینا ہمارے نزدیک بہت مفید اور نتیجہ خیز ہے۔ پھر یہ بھی ملحوظ رکھیے کہ سایہ نہ ہونے کے لیے بے بنیاد عقیدہ کی تصدیق آج کے دارالعلوم (دیوبند) نے کی ہے اور دارالعلوم (دیوبند) اپنی مرکزیت کے باعث بڑے دُور رس اثرات رکھتا ہے۔ جو گمراہی یہاں سے چلے گی وہ آندھی اور طوفان کی طرح پھیلے گی، اسی لیے ہم نے مفتی دارالعلوم کے فتوے پر پہلے ہی سخت گرفت کی تھی، اور اَب بھی ہماری طول نگاری زیادہ تر اسی لیے ہے۔ آج کے دارالعلوم کی حیثیت عوام الناس پر واضح ہو جائے''۔

(ماہنامہ تجلی، دیوبند، جون ۱۹۶۰ء، ص ۲

اس کے بعد عامر صاحب اسی سایہ کی بحث کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

''بہر حال سایہ کی بحث سے ہمیں ایک ضرر رساں عقیدہ کی تردید کے ساتھ ساتھ یہ بھی دکھانا مقصود ہے کہ آج کے مفتی دارالعلوم علم و دیانت کے

تقاضوں سے کس درجہ بے نیاز ہیں''۔

(ماہنامہ تجلی، دیوبند، جون ۱۹۶۰ء، ص ۵)

اِن عبارات سے یہ ترشح ہورہا ہے کہ عامر صاحب معدومیت ظل النبی کی مخالفت کے پردے میں صرف مفتی دارالعلوم ہی کے نہیں بلکہ ایک اہتمام وانتظام وارکانِ ادارہ کے اخراج وانقطاعِ اختیارات کے در پے ہیں، اور کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت دارالعلوم میں کوئی تازہ انقلاب لاکر اپنے اقتدار کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ خیر ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں اس امر کی طرف توجہ کرنا ارکانِ دارالعلوم کا کام ہے۔

چند سطور کے بعد اسی معدومیتِ سایہ کے عقیدہ کے متعلق گل فشانی کرتے ہیں:

''ہم نے پہلے بھی کہا تھا اور اَب بھی اعلانیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کا سایہ نہ ہونا ایک بے بنیاد طبع زاد عقیدہ ہے''۔

(ماہنامہ تجلی، دیوبند، جون ۱۹۶۰ء، ص ۵)

اِن تینوں عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کا عقیدہ ان کے نزدیک بدعت، خرافات، تصورِ توحید ورسالت پر غبار، صریح گمراہی اور بے دانشی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ عقیدہ نہایت ضرر رساں بے بنیاد اور طبع زاد ہے۔

اِس مفہوم کو ذہن نشین کرنے کے بعد یہ دیکھیے کہ عامر صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کا عقیدہ رکھنے والوں کی شرعی حیثیت کیا بیان کی ہے، وہ رقمطراز ہیں:

''ہمیں پہلے بھی یقین تھا اور اَب بھی یقین ہے کہ رسول اللہ کا سایہ نہ ہونے کی بے اساس بات صرف ایسے ذہنوں کو ہضم ہوسکتی ہے جو یا تو طبعاً وہم پرست، مبالغہ کیش اور عجائب پسند ہوں یا پھر جذباتی مغلوبیت نے ایک حادثے اور اُفتاد کے طور پر ان کے قدرتی سسٹم پر کوئی ایسا ہی اثر ڈالا ہو، جیسا بخار آدمی کے نظامِ کام ودہن پر ڈالا کرتا ہے''۔

(ماہنامہ تجلی، دیوبند، جون ۱۹۶۰ء، ص ۴۴)

نیز اسی عقیدہ رکھنے والوں کے متعلق آگے چل کر عامر صاحب وضاحت کے ساتھ

لکھتے ہیں:

''جو فرد یا گروہ شعر کی زبان میں نہیں بلکہ حقیقی معنی میں اہلِ سنت ہو گا...... وہ قیامت تک ایسی بے سروپا اور فتنہ انگیز حرکت نہیں کرے گا کہ جس پیغمبر علیہ السلام کی بشریت کے اثبات میں اللہ جل شانہٗ متعدد صریح و محکم آیات نازل فرما رہے ہیں اور جس کی بشریت عین مشاہدہ اور تمام عالم کے نزدیک حقیقتِ ثابتہ ہے۔ اسے حدودِ بشریت سے باہر لا کر مادی و طبعی اوصاف و لوازم سے بالاتر ثابت کرنے کی کوشش کرے، وہ سایہ نہ ہونے کی بات سن کر جھومے گا نہیں کہ میرے نبی کی شان بڑھ رہی ہے۔ بلکہ خطرہ کی آہٹ پا کر چونک پڑے گا کہ یہ تو قصرِ نبوت میں وہی چور دروازہ کھولا جا رہا ہے جس کی راہ سے مسیح ابن مریم اللہ کے بیٹے بنائے گئے''۔

(ماہنامہ تجلی، دیوبند، جون ۱۹۶۰ء، ص ۴۶)

ان دونوں عبارتوں کے خط کشیدہ الفاظ سے یہ بات واضح ہے کہ عامر صاحب کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا عقیدہ رکھنے والے وہم پرست، مبالغہ کیش، عجائب پسند اور جذباتی مغلوبیت نے ان کے قدرتی سسٹم پر ایسا اثر ڈال دیا ہے، جیسا بخار آدمی کے تمام جسمانی نظام پر اثر ڈال دیتا ہے۔ نیز ایسا عقیدہ رکھنے والے ان کے نزدیک اہلِ سنت سے خارج ہیں، اور ان کا یہ عقیدہ فتنہ انگیز اور قرآن کریم کی صریح و محکم آیات کے خلاف ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ حضور علیہ السلام کے سایہ نہ ہونے کا عقیدہ قصرِ نبوت میں ایک ایسا چور دروازہ ہے جس کی راہ سے مسیح ابن مریم اللہ کے بیٹے بنائے گئے۔

تمام عباراتِ منقولۂ بالا کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ عامر صاحب کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کا اعتقاد از قبیل بدعات و خرافات، ضلالت و گمراہی، عیسائیت و نصرانیت اور عقیدۂ توحید و رسالت کے منافی بلکہ قصرِ نبوت میں معاذ اللہ حضور کی الوہیت کا ایک چور دروازہ ہے۔

عامر صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ سے پاک ہونے کے عقیدہ کو بدعت،

گمراہی اور عیسائیت ونصرانیت قرار دیا۔ حالانکہ اسلاف کرام اور ائمہ دین میں بھی یہ عقیدہ پایا جاتا ہے۔ چونکہ عامر صاحب خود مرے دل اور دبی زبان سے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ہزاروں ہزار علما اور ائمہ میں شاید گنے چنے ایسے نکلیں جنہوں نے اپنے خاص احوال یا جذباتی مغلوبیت یا اپنی افتادِ طبع، یا کسی ہنگامی ترغیبِ ذہنی کے تحت رسول اللہ کا سایہ نہ ہونے کو واقعہ گمان کرلیا ہو''۔

(ماہنامہ تجلی، دیوبند، جون ۱۹۶۰ء، ص ۴۶)

عامر صاحب نے اپنی افتادِ طبع سے مجبور ہو کر یہ بے جا قیود حق گو ائمہ پر لگا ڈالیں مگر اس کے باوجود اس حقیقت کا انہیں اقرار کرنا ہی پڑا کہ علمائے اُمت وائمۂ دین میں ایسے حضرات ضرور پائے جاتے ہیں جن کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ نہ ہونا امر واقع ہے۔ اسی بحث میں ایک اور جگہ رقمطراز ہیں:

''بجا کہ اسلاف میں بعض ایسے بزرگ بھی سایہ نہ ہونے کی بے اصل بات کے فریب میں آگئے ہیں جن کے علم وفضل پر اُنگلی مشکل ہی سے اُٹھائی جاسکتی ہے، جن کے ذہنوں کو فاسد وکاسد کہنا بے جا جسارت ہوگی اور جن کی عام قدر ومنزلت شبہ سے بالاتر ہے۔ لیکن شکر ہے کہ وہ انبیاء نہیں تھے، صحابی بھی نہیں تھے، تابعی بھی نہیں تھے، بلکہ ہمارے ہی جیسے اُمتی تھے جو زہد و عبادت کے ذریعہ امام وقطب اور شیخ ومرشد بن سکتے ہیں لیکن خطا ونسیان سے بالاتر نہیں ہوسکتے''۔

(ماہنامہ تجلی، دیوبند، جون ۱۹۶۰ء، ص ۴۴)

اس عبارت میں بھی عامر صاحب نے مرے دل سے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ اسلاف کرام میں ایسے بزرگ ہوئے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سایہ نہ ہونے کے معتقد تھے، جن کے علم وفضل پر اُنگلی اُٹھانا مشکل ہے اور ان کے ذہنوں کو فاسد وکاسد کہنا جسارت بے جا ہے، جن کی قدر ومنزلت شبہ سے بالاتر ہے۔ جو عابد وزاہد، امام وقطب، شیخ ومرشد کا مقام

رکھتے تھے۔ البتہ وہ نبی، صحابی اور تابعی نہ تھے، جو خطا و نسیان سے بالاتر ہوں، (ماشاء اللہ کیا توجیہ متکلمانہ ہے)۔

سایۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعتقاد کو معاذ اللہ گمراہی بدعت اور عیسائیت قرار دینے والے عامر صاحب ذرا یہ تو بتائیں کہ اس گمراہی اور نصرانیت میں مبتلا ہونے والے لوگ! اسلاف، بزرگ، اہلِ علم و دانش، صاحبانِ فضل و کمال، صحیح الذہن، شبہات سے بالاتر، امام، قطب اور شیخ و مرشد بھی بن سکتے ہیں، یاللعجب۔

آپ کے انقلابی ذہن کی داد نہیں دی جا سکتی، جو عقیدہ آپ کے نزدیک ضلالت و گمراہی، بدعت و جہالت، عیسائیت و نصرانیت کا حکم رکھتا تھا وہ بیک جنبش قلم خطا و نسیان کی صورت میں تبدیل ہو کر رہ گیا۔ کیا کہنا آپ کی جرأت و جسارت کا، مذہبیات میں یہ تغیر و تبدل؟ دین کے ساتھ مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر کیا سادگی سے فرماتے ہیں:

"لیکن شکر ہے کہ وہ انبیاء نہیں تھے، صحابی بھی نہیں تھے، تابعی بھی نہیں تھے جو شیخ و مرشد تو بن سکتے ہیں لیکن خطا و نسیان سے بالاتر نہیں ہو سکتے"۔

بولیے! آپ کی یہ عبارت پڑھنے والا کیا سمجھے گا؟ یہی نا کہ آپ نبی، صحابی، تابعی کو خطا و نسیان سے بالاتر سمجھتے ہیں، پھر کیا یہ سچ ہے؟ کیا واقعی آپ کا یہی اعتقاد ہے؟ اپنے اسی پرچے میں وہ اقتباس ہی دیکھ لیا ہوتا جو صفحہ ۶۴ پر ترجمان القرآن سے آپ نے لیا ہے:

"دراصل کوئی انسان خطا اور لغزش سے پاک نہیں"۔

کیوں جناب کیا انبیا، صحابہ اور تابعین آپ کے نزدیک انسان نہیں ہوتے؟ جب وہ سب انسان ہیں اور کوئی انسان خطا سے پاک نہیں تو کیا اس شکلِ اوّل کا یہ منطقی نتیجہ نہیں نکلا کہ نبی، صحابی، تابعی کوئی خطا سے پاک نہیں۔ پھر یہ اسلاف اگر معاذ اللہ نبی بھی ہوتے تو کیونکر خطا و نسیان سے بالاتر ہو سکتے تھے؟ کیا تلبیس اور مغالطے کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال ہو سکتی ہے؟

عامر صاحب! آپ اس اور یجنل افسانہ نگاری کے وقت کس موڈ میں تھے کہ آپ کے اپنے ابنِ تیمیہ صاحب کا ارشاد بھی بھول گئے، وہ فرماتے ہیں:

"وعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قل خطأ من علی رضی اللہ عنہ"
(منہاج السنۃ، جلد ۲، ص ۱۵۴)

ترجمہ: حضرت عمر کی خطائیں حضرت علی سے کم ہیں۔
جب عمر وعلی رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر حضرات صحابی ہو کر خطا سے نہ بچ سکے تو بیچارے اسلاف صحابی ہو کر کیونکر خطا سے بالاتر رہ سکتے تھے؟
ہاں آپ کو مودودی صاحب کا فرمان بھی شاید یاد نہیں رہا، وہ فرما گئے ہیں:
"نبی ہونے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا کہ انہوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا تھا"۔
(رسائل ومسائل، ص ۳۱)

موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت بڑا گناہ ہو سکتا ہے تو اسلاف کا خطا ونسیان سے بالاتر رہنا کیسے ممکن ہوگا؟ شاید آپ کہہ دیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا گناہ نبوت سے پہلے ہوا تھا اس لیے اعتراض کی بات نہیں۔ بحث یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بڑے گناہ سے نہ بچ سکے تو اسلاف نبی، صحابی یا تابعی ہو کر خطا سے بالاتر کیسے رہ سکتے ہیں؟ آخر موسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ نبوت سے قبل صحابہ اور تابعین کے مرتبے سے تو بہر حال اونچا تھا۔ جب صحابی اور تابعی سے اونچے درجہ والے کا یہ حال ہے تو اسلاف بیچارے صحابی یا تابعی ہو کر کس گنتی میں رہتے ہیں۔
رہا اصل مسئلہ تو حق واضح کرنے کے لیے مختصراً اتنا عرض کر دینا کافی ہوگا کہ اگرچہ متکلمین کا ایک گروہ قبل البعثۃ انبیا سے صدورِ ذنب کا قائل ہے لیکن محققین اہل اللہ کا مسلک یہی ہے کہ نبوت سے پہلے اور بعد ہر زمانہ میں انبیا علیہم السلام عمداً تمام صغائر و کبائر سے پاک ہیں۔ علامہ بحر العلوم فرماتے ہیں:

"واما قبل النبوۃ فالتحقیق وعلیہ اهل اللہ من الصوفیۃ الکرام انہم معصومون ایضاً من الکبائر والصغائر عمداً"
(ملتقط از حاشیہ نبراس، ص ۴۵۳)

اور شارح مواقف نے بھی اسی مسلک کی تائید میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے فعلِ قتل پر وارد کیے ہوئے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے "الجواب انه قبل النبوة" لکھ کر صاف ارقام فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا فعلِ قتل بلا قصد بھی ہوسکتا ہے اور انہوں نے اس فعل پر جو اقوال صادر فرمائے وہ سب (معصیت اور گناہ کی بجائے) تواضع اور کسرِ نفسی پر محمول ہوسکتے ہیں۔ شرح مواقف کی حسب ذیل عبارت ملاحظہ کیجیے:

"وایضاً جازان یکون قتلهٗ خطاءً وما صدر عنه من اقواله محمولاً علی التواضع وهضم النفس" انتهیٰ

(شرح مواقف، جلد ۸، ص ۲۷۱)

عامر صاحب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کے عقیدے کو جو بزرگانِ دین و سلف صالحین کا عقیدہ رہا ہے، مسلمانوں کے ذہن میں بے وقعت اور خفیف کرنے کے لیے لکھ مارا کہ خاص احوال یا جذباتی مغلوبیت یا افتادِ طبع یا کسی ہنگامی ترغیب ذہنی کے تحت بزرگوں کا یہ عقیدہ رہا ہے۔ ان عقل کے دشمنوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی نیکی یا بدی جس سے سرزد ہوتی ہے وہ ان ہی چار اسباب و وجوہ کے تحت سرزد ہوتی ہے۔ کوئی شخص کسی نیکی یا بدی کو جن احوال میں ادا کرتا ہے یقیناً وہ خاص احوال ہوتے ہیں، اسی طرح کوئی اچھائی یا برائی نیکی اور بدی کے جذبے سے متاثر اور مغلوب ہوئے بغیر واقع نہیں ہوسکتی۔ نیز ہر شخص کی افتادِ طبع کو اس کے افعال و اعمال، عقائد و خیالات میں پورا پورا دخل ہوتا ہے، اور یہ امر بھی واضح ہے کہ وقتی اور ہنگامی طور پر ذہنی ترغیبات انسان کے افعال و اعمال، خیالات و معتقدات کے لیے ضرور موثر ثابت ہوتی ہیں اور ان وجوہ کے تحت کسی عقیدہ یا عمل کا صدور وظہور اس عقیدہ یا عمل کے بے وزن و بے وقعت اور خفیف ہونے کا موجب ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورت میں بزرگانِ دین کے اس عقیدے کو ان وجوہ کے تحت لانے سے کیا فائدہ پہنچا، محض الفاظ کے ہیر پھیر سے پڑھنے والوں کے ذہن میں یہ اثر پیدا کرنا مقصود ہے کہ اسلاف کا یہ عقیدہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ تھا کوئی وزن نہیں رکھتا۔ لیکن یاد رکھیے جس طرح پہاڑ کو تنکا کہہ دینے سے اس کا وزن کم نہیں ہوسکتا، اسی طرح بزرگانِ دین کے اس عقیدے کو اس نوعیت سے لکھ دینا اس کو ہلکا اور بے وقعت نہیں بنا سکتا۔ سلف کے مقدس حضرات اور اپنے مقتداؤں کو جو

لاریب منکرینِ ظل ہیں کہاں چھپا سکتے تھے، لیکن اس سلسلے میں جو ہاتھ کی صفائی دکھائی گئی ہے وہ ایسی ہے کہ اس کے سامنے اس فن کے بڑے بڑے فن کار بھی مات کھا گئے ہوں گے۔ عامر صاحب رقمطراز ہیں:

"ہزاروں ہزار علما اور ائمہ میں شاید گنے چنے ایسے نکلیں جنھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کا سایہ نہ ہونے کو واقعہ گمان کرلیا ہو"۔

(ماہنامہ تجلی، دیوبند، جون ۱۹۶۰ء، ص ۴۶)

واہ جناب آپ کی کارستانی قابلِ داد ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سایہ نہ ہونے کے معتقد ہزاروں ہزار میں سے، گنے چنے چند اور وہ بھی شاید۔ کیا کہنا ہے آپ کی فنکاری کا، مثل مشہور ہے کہ نکٹی ناک والے کو نکو بتائے، آپ کی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ظلمت بھرا کالا سایہ ثابت کرنے والا تو ان ائمہ اعلام میں کیا ساری اُمت مسلمہ میں ڈھونڈے سے بھی کوئی نہ ملے گا۔ اور ہمارے ہم عقیدہ یعنی حضور علیہ السلام کو تاریک سائے سے پاک ماننے والے علماے اعلام وائمۂ دین متقدمین ومتاخرین اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ آپ ان کی تفصیل پڑھ کر گھبرا جائیں گے۔ جن حضرات نے "السعید" ملتان کا "ظل نمبر" نہیں پڑھا ان کی خصوصی رعایت ملحوظ رکھ کر ان حضرات کے اسماے گرامی کی فہرست پہلے سے زیادہ مکمل کر کے پیش کی جارہی ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو تاریک سایہ سے پاک مانتے تھے:

(۱) سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صحابی (متوفی ۳۵ھ)
(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، صحابی (متوفی ۶۸ھ)
(۳) حضرت ذکوان، تابعی (متوفی ۱۰۱ھ)
(۴) حضرت ابن المبارک، تابعی (متوفی ۱۸۱ھ)
(۵) حکیم ترمذی، (متوفی ۲۵۵ھ)
(۶) حافظ رزین محدّث (متوفی ۶۸۰ھ)
(۷) محدّث ابن سبع (متوفی ......)
(۸) محدّث ابن جوزی (متوفی ۵۸۷ھ)

(۹) قاضی عیاض امام المحدثین (۵۴۴ھ)
(۱۰) امام راغب اصفہانی (متوفی ۴۵۰ھ)
(۱۱) امام نسفی (متوفی ۷۰۱ھ)
(۱۲) امام قسطلانی (متوفی ۹۲۳ھ)
(۱۳) علامہ امام سبکی (متوفی ۷۵۶ھ)
(۱۴) علامہ حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۹۶۰ھ)
(۱۵) امام زرقانی (متوفی ۱۱۲۲ھ)
(۱۶) امام مناوی (متوفی ۸۹۱ھ)
(۱۷) امام جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ)
(۱۸) صاحب سیرۃ شامی (امام محمد بن یوسف صالحی شامی، متوفی ۹۴۲ھ)
(۱۹) علامہ شہاب الدین خفاجی (متوفی ۱۰۶۹ھ)
(۲۰) علامہ ابراہیم بیجوری (۱۲۷۷ھ)
(۲۱) علامہ ملا علی قاری (متوفی ۱۰۱۴ھ)
(۲۲) علامہ سلیمان جمل (متوفی ۱۲۰۴ھ)
(۲۳) علامہ ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۳ھ)
(۲۴) علامہ برہان الدین حلبی (متوفی ۱۰۴۴ھ)
(۲۵) علامہ شیخ محمد طاہر صاحب مجمع بحار الانوار (۹۸۶ھ)
(۲۶) علامہ جلال الدین رومی (متوفی ۶۷۰ھ)
(۲۷) حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲ھ)
(۲۸) مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (متوفی ۱۰۳۴ھ)
(۲۹) علامہ بحر العلوم لکھنوی (متوفی ۱۲۳۵ھ)
(۳۰) مولانا عبد الرحمن جامی (متوفی ۸۹۸ھ)
(۳۱) علامہ اسماعیل حقی صاحب روح البیان (متوفی ۱۱۳۷ھ)

(۳۲) مفتی عنایت احمد کاکوروی صاحب علم صیغہ (متوفی ۱۲۷۹ھ)

(۳۳) شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ)

ان اسلاف کرام کے علاوہ عامر صاحب کے مقتدا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی، مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اور ان کے بعد مفتی عزیز الرحمن صاحب دیو بندی کے اسما بھی قابل ذکر ہیں۔

اَب تفصیل وار ان بزرگانِ سلف کے اس اعتقاد پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ نہ تھا تصریحات وعبارات وحوالہ جات ملاحظہ فرمایئے:

(۱ تا ۲) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ وامام نسفی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر مدارک التنزیل مؤلفہ امام نسفی، مطبوعہ مصر، جلد ۳، ص ۱۰۳

"وقال عثمان رضی الله تعالیٰ عنه ان الله ما اوقع ظلك علی الارض لئلا یضع انسان قدمهٗ علی ذلك"۔ انتھی

"امام نسفی فرماتے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضور اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر نہ ڈالا تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی آدمی اپنا پاؤں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سایہ پر رکھ دے۔"

(۳ تا ۱۰) حضرت عبداللہ بن عباس صحابی رضی اللہ عنہما، حضرت ذکوان تابعی رضی اللہ عنہ، حکیم ترمذی، ابن المبارک تابعی، ابن جوزی، ابن سبع، امام زرقانی، حافظ رزین محدّث۔

امام زرقانی شرح مواہب، جلد ۴، ص ۲۲۰ پر فرماتے ہیں:

"(ولم یکن له ﷺ ظل فی شمسٍ ولا قمرٍ) لأنه كان نوراً، كما قال ابن سبع، وقال رزین: الغلبة أنوارہ، قیل وحكمة ذلك صیانته عن أن یطأ كافر علی ظله"۔

"اور نہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے سایہ سورج میں نہ چاند میں اس لیے کہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نور تھے جیسا کہ ابن سبع (محدّث) نے کہا، اور امام رزین فرماتے ہیں کہ سایہ نہ ہونا حضور کے غلبۂ انوار کی وجہ سے تھا۔ بعض علما نے

کہا کہ اس کی حکمت حضور علیہ السلام کو اس بات سے بچانا ہے کہ کسی کافر کا پاؤں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ پر نہ پڑے"۔

آگے چل کر یہی امام زرقانی فرماتے ہیں:

"(رواه الترمذی الحکیم عن ذکوان) ابی صالح السمان، الزیّات المدنی، أو أبی عمر، والمدنی مولیٰ عائشہ رضی الله تعالیٰ عنها، وکل منهما ثقة من التابعین، فهو مرسل، لکن روی ابن المبارك، وابن جوزی، عن ابن عباس: لم یکن للنبی ﷺ ظل، ولم یقم مع الشمس قط، الا غلب ضوؤه ضوء الشمس، ولم یقم مع سراج قط الا غلب ضوء السراج (وقال ابن سبع: کان ﷺ نورا، فکان اذا مشی فی الشمس، أو القمر، لا یظهر له ظل) لأن النور، لا ظل له. (قال غیره: ویشهد له، قوله ﷺ فی دعائه،) لما سأل الله تعالیٰ أن یجعل فی جمیع اعضائه، وجهاته نورا ختم، بقوله: (واجعلنی نورا،) أی: والنور، لا ظل له، وبه یتم الاستشهاد۔ انتھی

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی اس حدیث کو ترمذی حکیم نے ذکوان سے روایت کیا۔ یہ ذکوان ابوصالح السمان (روغن فروش) مدنی ہیں، یا ابوعمر مدنی جو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں (ان میں سے کوئی بھی ہو بہر حال) یہ دونوں ثقہ ہیں تابعین سے، لہٰذا حدیث مرسل ہوگی (چونکہ اس میں صحابہ کا ذکر نہیں) لیکن حضرت ابن المبارک اور علامہ ابن جوزی نے حضرت ابن عباس (صحابی) رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ تھا، اور حضور علیہ السلام سورج کے سامنے کبھی کھڑے نہ ہوئے لیکن حضور کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب ہو جاتی تھی اور حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی چراغ کی روشنی کے سامنے کھڑے نہ ہوتے تھے مگر حضور کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب ہوجاتی تھی، اور ابن سبع (محدث) نے کہا کہ حضور علیہ السلام نور ہیں اس لیے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو حضور کا سایہ ظاہر نہ ہوتا تھا کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا اور ان کے علاوہ دیگر علما و محدثین نے فرمایا ہے کہ گواہی دیتا ہے حضور کا سایہ نہ ہونے پر حضور کا وہ قولِ مبارک جو حضور کی دُعا میں ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے جمیع اعضا و جہات میں نور کر دے تو آپ نے اپنی دُعا کو اس قول پر ختم فرما دیا (واجعلنی نوراً) یعنی نور کا سایہ نہیں ہوتا، اور اسی کے ساتھ یہ استشہاد تمام اور پورا ہوجاتا ہے"۔

(۱۱) ذکوان کی مذکورہ بالا روایت امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ، جلد ۱، صفحہ ۶۸ میں نقل فرمائی۔

(۱۲) مواهب اللدنیه، جلد ۱، صفحہ ۲۸۰ پر امام قسطلانی نے یہی مضمون ارقام فرمایا۔

(۱۳) مفردات امام راغب صفحہ ۲۱۷ میں امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

"روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا مشی لم یکن لہ ظلٌ"۔

"مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ ہوتا تھا"۔

(۱۴) شفاء شریف، جلد ۱، صفحہ ۲۴۲، ۲۴۳ میں امام المحدثین قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وما ذکر من انہ لا ظل لشخصہ فی شمس ولا قمر لانہ کان نوراً"۔

"اور یہ بات جو مذکور ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجودِ اقدس کا سایہ نہ تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور تھے"۔

(۱۵) نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض، جلد ۳، صفحہ ۳۱۹ پر ہے:

"(لا ظل شخصہ) ای جسدہ الشریف اللطیف الخ"

"حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم شریف کا سایہ نہیں"۔

(۱۶) سیرۃ حلبیہ، جلد ۲، صفحہ ۴۲۲ پر علامہ برہان الدین حلبی فرماتے ہیں:

"وانہٗ ﷺ اذا مشیٰ فی الشمس اوفی القمر لا یکون لہٗ ﷺ ظلٌ لا انہٗ کان نوراً"۔ الخ

"بے شک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جب سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تھے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ نہ ہوتا تھا اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نور تھے"۔

(۱۷) افضل القریٰ، صفحہ ۲۷ پر علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ومما یؤیدانہٗ ﷺ صار نوراً انہٗ کان اذا مشیٰ فی الشمس والقمر لا یظھر لہٗ ظل لانہٗ لایظھر للکثیف وھو ﷺ قد خلصہ اللہ من سائر الکثافات الجسمانیۃ وصیرہٗ نوراً صرفاً فلا یظھر لہٗ ظلٌ اصلاً"۔ الخ

"حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور ہونے کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نور ہو گئے، بے شک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جب چاند سورج کی روشنی میں چلتے تھے تو آپ کا سایہ ظاہر نہیں ہوتا مگر کثیف کے لیے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے تمام جسمانی کثافتوں سے پاک کر دیا تھا اور آپ کو نور خالص بنا دیا تھا، اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ بالکل ظاہر نہ ہوتا تھا"۔

(۱۸) مجمع بحار الانوار، جلد ۳، صفحہ ۴۰۵ پر علامہ شیخ محمد طاہر پٹنی فرماتے ہیں:

"لا یظھر لہٗ ظلٌ"

"حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ نہ تھا"

(۱۹) فتوحات احمدیہ شرح ہمزیہ، صفحہ ۵ پر علامہ سلیمان جمل فرماتے ہیں:

"لم یکن لہٗ ﷺ ظلٌ فی الشمس ولا قمر"۔ انتہیٰ

"حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ نہ سورج کی روشنی میں تھا نہ چاند کی روشنی میں"۔

(۲۰) کتاب تاریخ الخمیس میں علامہ حسین بن محمد دیار البکری فرماتے ہیں:

"لم يقع ظلهٗ على الارض ولا روئ لهٗ فی الشمس ولا قمر"۔ الخ

"حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ کبھی زمین پر نہیں پڑا نہ کبھی چاند سورج کی روشنی میں دیکھا گیا"۔

(۲۱) شرح شمائل للمناوی، مطبوعہ مصر، جلد ۱، صفحہ ۴۷ پر امام عبدالرؤف مناوی (متوفی ۸۹۱ھ) نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی طویل حدیث ارقام فرمائی جس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"لم یکن للنبی ﷺ ظلٌّ"

"حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ نہ تھا"۔

(۲۲) سیرۃ حلبیہ، جلد ۲، صفحہ ۹۴ پر علامہ امام تقی الدین سبکی کا یہ شعر منقول ہے:

لقد نزّہ الرحمن ظلك ان یریٰ

علی الارض ملقی فانطوئ لمزیۃ

ترجمہ: "رحمن نے آپ کے سایہ کو زمین پر پڑا ہوا نظر آنے سے پاک کر دیا اور پائمالی سے محفوظ رکھنے کے لیے آپ کی عظمت وفضیلت کی بنا پر اسے لپیٹ دیا"۔

(۲۳) جمع الوسائل بشرح الشمائل، جلد ۱، صفحہ ۱۷۶، مطبوعہ مصر پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:

"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لم یکن لہٗ ﷺ ظلٌّ"

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ نہ تھا"۔

(۲۴) سیرۃ شامی، (سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد)، مطبوعہ قاہرہ، صفحہ ۱۲۳، ۱۲۴ پر ارقام فرماتے ہیں۔

لم یُرَ لرسول اللہ ﷺ ظلٌّ فی شمس ولا قمر

رواہ الحکیم الترمذی. وقال معناہ لئلا یطأ علیہ کافرٌ

فیکون مذلۃً لہٗ۔

وقال ابن سبع رحمۃ اللہ تعالیٰ: فی خصائصہ: ان ظلہ ﷺ کان لا یقع علی الارض وانہ کان نورا وکان اذا مشی فی الشمس أو القمر لا یظھر لہ ظل۔

(۲۵) تفسیر روح البیان، جلد ۶، صفحہ ۱۲۵ پر صاحب روح البیان، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث منقولہ امام نسفی سے ارقام فرماتے ہیں:

(۲۶) المواھب علی الشمائل، صفحہ ۳۰ پر علامہ ابراہیم بیجوری، علامہ ابن جوزی کی روایت لم یکن لہ ظل" نقل فرماتے ہیں۔

(۲۷) مثنوی شریف دفتر پنجم صفحہ پر مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں:

چون فناش از فقر پیرایہ شود
او محمد دار بے سایہ شود

''جب اس کی فنا پیرایہ فقر سے ہوگی تو وہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح بے سایہ ہوجائے گا''۔

(۲۸) شرح مثنوی شریف بحر العلوم میں علامہ بحر العلوم لکھنوی شعرِ سابق کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مصرع ثانی اشارۂ معجزہ آں سرور است کہ آں سرور سایہ نمی افتاد''

''دوسرے مصرع میں آں سرور علیہ السلام کے معجزہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ نہ پڑتا تھا''۔

(۲۹) عزیز الفتاویٰ، جلد ہشتم، صفحہ ۲۰۲ پر مولانا عبدالرحمن جامی کے یہ شعر مرقوم ہیں:

پیغمبر ما نداشت سایہ
تا شک بدلِ یقیں نیفتد
یعنی ہر کس پیرو اوست
پیداست کہ پا زمین نیفتد

"ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سایہ نہ رکھتے تھے، ہرگز یقین کہ دل میں شک نہ پڑے یعنی جو شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم بقدم ہے، ظاہر ہے کہ اس کا قدم بھی زمین پر نہیں پڑتا"۔

(۳۰) "تاریخ حبیب اِلٰہ" صفحہ ۱۳۷ میں مفتی عنایت احمد صاحب کا کوروی صاحب "علم الصیغہ" تحریر فرماتے ہیں کہ:

"آپ کا بدن نور تھا، اسی وجہ سے آپ کا سایہ نہ تھا"۔

(۳۱) مدارج النبوۃ جلد ۱، صفحہ ۱۱۸ پر شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:

"چوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عین نور باشد نور را سایہ نمی باشد"۔

"جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عین نور ہیں تو نور کا سایہ نہیں ہوتا"۔

(۳۲) تفسیر عزیزی پارۂ عم، صفحہ ۲۱۹ پر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"از خصوصیاتکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رادر بدن مبارکش دادہ بودند کہ سایہ ایشاں برزمین نمی افتاد"۔

"جو خصوصیتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک میں عطا کی گئی تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا"۔

(۳۳) مکتوبات شریف، جلد سوم، صفحہ ۱۸۷، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ونیز در عالم شہادت سایہ شخص از شخص لطیف تر است چوں لطیف ترے از وے در عالم نباشد اورا سایہ چہ صورت دارد"۔

"نیز عالم شہادت میں ہر شخص کا سایہ اس کے جسم سے زیادہ لطیف ہوتا ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ لطیف چیز عالم میں نہیں ہے تو آپ کا سایہ کس صورت سے ہوسکتا ہے؟"

عامر صاحب! خدا لگتی کہنا، کیا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک مرقومہ بالا تمام صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین، علمائے متبحرین اور بزرگانِ دین کو معاذ اللہ بدعتی، گمراہ، توحید و رسالت کے مخالف عیسائی اور نصرانی سمجھتے ہیں۔

اچھا! ان سب کے بعد اپنے مقتداؤں کی طرف آیئے:

(۱) مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ''امداد السلوک''، صفحہ ۸۵، ۸۶ پر تحریر فرماتے ہیں:

''ازین جا است کہ حق تعالیٰ در شان حبیب خود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمود کہ آمدہ نزدِ شما از طرف حق تعالیٰ نور و کتابِ مبین و مراد از نورِ ذات پاک حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است و نیز اُو تعالیٰ فرماید کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترا شاہد مبشر و نذیر و داعی الی اللہ و سراجِ منیر فرستادہ ایم و منیر روشن کنندہ نور دہندہ را گویند، پس اگر کسے را روشن کردن از انسانان محال بودے آں ذات، پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را ہم ایں امر میسر نیامدے کہ آں ذات پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از جملہ اولادِ آدم علیہ السلام آند مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات خود را چناں مطہر فرمود کہ نور خالص گشتند و حق تعالیٰ آنجناب سالامہٗ علیہ انور فرمود و بتواتر ثابت شد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالی سایند اشتند و ظاہر است کہ بجز نور ہمہ اجسام ظل میدارند''۔ انتھی

ترجمہ: ''اور اسی جگہ سے یہ ثابت ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں فرمایا ''ہمارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور کتابِ مبین آئی، اور نور سے مراد حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے، نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ کو شاہد و مبشر نذیر و داعی الی اللہ تعالیٰ اور سراجِ منیر بنا کر بھیجا ہے، اور ''منیر'' روشن کرنے والے اور نور دینے والے کو کہتے ہیں۔ پس اگر انسانوں میں سے کسی کو روشن کرنا محال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پاک کے لیے یہ امر میسر نہ ہوتا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی ذاتِ پاک بھی جملہ اولادِ آدم علیہ السلام سے ہے مگر آنحضرت ﷺ نے اپنی ذات کو ایسا مطہر فرمالیا کہ نورِ خالص ہو گئے اور حق تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو نور فرمایا اور تواتر سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ سایہ نہ رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں''۔

(۲) نیز آپ کے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی، میلاد النبی، جلد ۴، المریع فی الربیع، صفحہ ۵۷۲ پر رقمطراز ہیں:

''یہ جو مشہور ہے کہ سایہ نہ حضور ﷺ کا تو یہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، گو وہ ضعیف ہیں مگر فضائل میں متمسک بہ ہو سکتی ہیں''۔

(۳) مقتداؤں سے فارغ ہو کر ذرا مفتی اعظم دیو بند مفتی عزیز الرحمن صاحب کا فتویٰ بھی ملاحظہ فرماتے جائیے۔ بعد کو چاہے اس کی تردید کر دیں لیکن سر دست تو ایک نظر دیکھ ہی لیجیے۔ وہ عزیز الفتاویٰ، جلد ہشتم، صفحہ ۲۰۲ پر تحریر فرماتے ہیں:

آنحضرت ﷺ کا سایہ نہ تھا

سوال ۱۴۶۴: ''وہ کون سی حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ رسولِ مقبول ﷺ کا سایہ زمین پر واقع نہیں ہوتا تھا''۔

الجواب: ''امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں آنحضرت ﷺ کا سایہ زمین پر واقع نہ ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے: اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یُریٰ لہٗ ظل فی الشمس والقمر۔ الخ

اور تواریخ حبیب الٰہ میں مفتی عنایت احمد صاحب کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ کا بدن نور تھا اسی وجہ سے آپ کا سایہ نہ تھا۔ الخ......

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ

کیوں عامر صاحب! کیا کہتے ہیں آپ؟ کیا ان سب کو وہم کی بیماری ہو گئی تھی؟ یا ان کا قدرتی سسٹم بگڑ گیا تھا، یا یہ سب لوگ شدت بخار میں بڑبڑا رہے ہیں۔

ہاں جناب! کچھ پتہ چلا آپ کو؟ آپ کے دونوں پیشواؤں گنگوہی وتھانوی صاحبان نے مل کر آپ کا بیڑا غرق فرمادیا۔

سایہ کے مسئلے میں آپ نے اپنی بحث کی بنیادیں قائم کرنے کے لیے جو پاپڑ بیلے تھے وہ آپ کو یاد ہی ہوں گے، تو سنئے حضور! آپ کی وہ سب محنت اکارت ہوگئی۔ آپ کے ان دونوں بزرگوں نے انتہائی بے دردی کے ساتھ آپ کی مستحکم بنیادوں کو اکھاڑ کر پھینک دیا۔ ''ثبوتِ ظل'' کی پوری عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔ پریشانی میں شاید آپ کو یاد نہیں آرہا ہے۔ لیجیے میں عرض کرتا ہوں، سایہ کی بحث میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل چار بنیادی اصولوں پر مشتمل تھا:

(۱) بشری کثافتوں سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پاک نہ تھے۔

(۲) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایسا نورِ خالص ہونا جس کا سایہ نہ ہو، باطل ہے، اگر آپ کے لیے کہیں لفظ نور آیا ہے تو وہ بطورِ استعارہ ہے۔

(۳) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ نہ ہونا غلط افواہ ہے۔

(۴) سایہ نہ ہونے کی حدیثیں جھوٹی ہیں اور قابل تمسک نہیں۔

آپ کے ان اصولِ اربعہ کے ردّ وابطال میں جو کچھ ہم عرض کریں گے ان شاء اللہ وہ تو آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ کر ہی لیں گے۔ سرِ دست اتنا دیکھتے چلیے کہ آپ کے پہلے تین بنیادی نقطوں کو تو گنگوہی صاحب نے اُڑادیا اور چوتھے کا صفایا تھانوی صاحب کر گئے۔

گنگوہی صاحب کی منقولہ بالا عبارت میں ابھی آپ نے پڑھا کہ:

(۱) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تمام کثافتوں سے مطہر ہوکر نورِ خالص ہوگئے۔

(۲) قرآن کریم میں قد جاء کم من اللہ نورٌ و کتابٌ مبین اور سراجاً منیراً دونوں جگہ نور ومنیر سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہی مراد ہیں، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایسے ''نور ومنیر'' ہیں جس کا سایہ نہ ہو۔

(۳) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ نہ ہونا غلط افواہ نہیں بلکہ تواتر سے ثابت ہے۔

حضرت گنگوہی صاحب کے ان تینوں ارشادات نے آپ کے پہلے تینوں اصول کی

پوری طرح بیخ کنی فرمادی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کو تواتر سے ثابت شدہ کہنے کے بعد گنگوہی صاحب کا آخری جملہ ''وظاہر است کہ بجز نور، ہمہ اجسام ظل میدارند'' (ظاہر ہے کہ نور کے سوا ہر جسم سایہ رکھتا ہے)۔

استعارہ کی بحث میں حرفِ آخر ہے، جس نے آپ کی استعارہ والی بحث کی تمام کدوکاوش کو خاک میں ملا رکھ دیا۔

اَب آیئے تھانوی صاحب کی طرف، انہوں نے آپ کے چوتھے بنیادی اصول کا خاتمہ کر دیا، وہ فرماتے ہیں کہ:

''حضور کا سایہ نہ ہونا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، گو وہ ضعیف ہیں، مگر فضائل میں متمسک بہ ہو سکتی ہیں''۔

کہیے عامر صاحب! تھانوی صاحب نے آپ کا بیڑا غرق فرمانے میں کوئی کسر باقی رکھی؟ جن روایتوں کو جھوٹی کہتے کہتے آپ کی زبان سوکھ گئی، تھانوی صاحب ان کو متمسک بہ کہہ رہے ہیں۔

کیا فرماتے ہیں آپ؟ آپ سچے یا تھانوی صاحب؟

كذالك العذاب والعذاب الآخرة اكبر لو كانوا يعلمون۔

اَب عامر صاحب کو یہ بات بھی نہ بھولنی چاہیے کہ سایہ کی اس پوری بحث میں جو انہوں نے ہم پر طعن و تشنیع کی بھرمار کی ہے اور بار بار ''منکرینِ ظل'' کہہ کر مذاق اُڑایا ہے، بلکہ بدعتی، گمراہ، یہودی، نصرانی تک کہنے سے نہیں چوکے، یہ سب کچھ انہوں نے ہمیں نہیں کہا، ہم تو محض ناقل ہیں، بلکہ ان اعلام اُمت کو کہا ہے جن کی طویل فہرست ہم ابھی پیش کر چکے ہیں، اور ان کے علاوہ اپنے مقتداؤں جناب گنگوہی و تھانوی صاحبان کی تواضع فرمائی ہے، جن کے ارشادات سایہ کے مسئلہ میں عامر صاحب کے خلاف ہم نے ابھی نقل کیے ہیں، آئندہ چل کر سب وشتم کے ہر مرحلہ پر عامر صاحب کو یہ امر پوری طرح ملحوظ رکھنا چاہیے۔

ہاں عامر صاحب! آپ نے فرمایا تھا:

''ہزاروں ہزار علما و ائمہ میں شاید گنے چنے ایسے نکلیں جنہوں نے ......

رسول اللہ کا سایہ نہ ہونے کو واقعہ گمان کر لیا ہو، باقی جملہ اکابرین کے عقیدہ و مسلک کی فہرست اس عقیدہ سے یکسر خالی ہے"۔

جن گنے چنے علما و ائمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ ہونا (بقول آپ کے) گمان کر لیا ہو، ہم نے تو ان کی طویل فہرست حوالجات کے ساتھ پیش کر دی۔ اَب باقی جملہ اکابرین کی فہرست جو اس عقیدے سے یکسر خالی ہے آپ پیش کر دیں۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

کتاب وسنّت اور علم و استدلال کے الفاظ کو نمائشی طور پر استعمال کرنے والو! اگر اپنے دعوے میں اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہو تو ایک دلیل پیش کر کے دکھاؤ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کا تاریک سایہ ثابت ہو جائے، یا اکابر اُمت سلف صالحین میں سے کسی ایک کا قول پیش کر دو، تو ہم جانیں کہ واقعی تم اپنے زعم میں سچے ہو، لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں ؎

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار ان سے یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

شاید آپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں کہ زمین پر سایہ پڑنا کوئی تعجب کی بات نہیں، جسے روایت کیا جانا ضروری ہو، البتہ کسی انسان کا سایہ نہ پڑنا ضرور تعجب کی بات ہے، جس کا روایت کیا جانا ضروری ہے۔

لٰہذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کی روایت کا نہ ہونا سایہ نہ ہونے کی دلیل نہیں، بلکہ سایہ نہ ہونے کی روایاتِ صحیحہ کا نہ ہونا سایہ ہونے کی دلیل ہے۔

میں عرض کروں گا کہ جب واقعہ میں کسی کے پاس دلیل نہ ہو تو پھر اُسے ایسی دلیلیں سوجھا کرتی ہیں۔

اِن عقل کے اندھوں کو اتنا نہیں سوجھتا کہ ٹوٹے پھوٹے طنزیہ فقروں سے چند حواریوں کو اُلو بنایا جا سکتا ہے مگر ساری دنیا اس طرح بے وقوف نہیں بن سکتی۔

میں پوچھتا ہوں کہ جس طرح "سایہ" جسمانی اوصاف سے ہے اسی طرح بیماری تندرستی، بھوک، پیاس، پسینہ، موئے مبارک، قدوقامت، حلیۂ اقدس وغیرہ امور بھی جسمانی لوازم سے ہیں یا نہیں؟ پھر یہ کہ جس طرح سایہ تعجب کا باعث نہیں، ایسے ہی تندرستی بیماری،

پسینہ، موئے مبارک، قدوقامت وغیرہ بے شماراوصاف بھی تعجب کے پہلو سے خالی ہیں یا نہیں؟ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ جسم اقدس کے باقی تمام اوصاف مروی ہوں اور سایہ مروی نہ ہو۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ایسی صورت میں سایہ مروی نہ ہونے کو سایہ نہ ہونے کی دلیل مان لیا جائے تو بعید از قیاس نہ ہوگا، رہا یہ امر کہ اگر حضور علیہ السلام کا سایہ نہ ہوتا تو اس کا نہ ہونا صحیح روایت کے ساتھ ضرور مروی ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صحتِ روایت کی ذمے داری سایہ نہ ہونے کے واقعہ پر تو کسی طرح عاید نہیں ہوسکتی، اس کا تعلق تو محض روایت سے ہے۔ ہاں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ صحتِ روایت کے بغیر سایہ نہ ہونے کا اعتقاد کیسے صحیح ہوگا؟ تو اس کا جواب بارہا عرض کرچکا ہوں، اور تھانوی صاحب بھی ارقام فرما گئے ہیں کہ باب فضائل میں ضعاف بھی متمسک بہ ہیں، لہٰذا صحت کی قید بے معنی ہے۔

مسئلہ زیر بحث کی وضاحت کرتے ہوئے ''اہلِ سنت'' کا لفظ میں نے لکھ دیا تھا جس پر عامر صاحب بہت بگڑے ہیں اور اپنی عادت کے مطابق طعن و تشنیع کی بھرمار کردی ہے۔ چنانچہ ہم لوگوں کو اہلِ بدعت اور اپنے آپ کو حقیقی اہلِ سنت کہا ہے اور ساتھ ہی اہلِ حق کا مذاق اُڑاتے ہوئے کئی پھبتیاں کسی ہیں۔

حقائق و معانی کی دنیا سے دُور، الفاظ کی دنیا میں رہنے والے طنز و تمسخر سے مرعوب اور برافروختہ ہوسکتے ہیں، لیکن مطالب و معارف سے سروکار رکھنے والے دل و دماغ ایسی اوچھی باتوں سے رعب میں نہیں آیا کرتے۔

عامر صاحب! جن بدعاتِ مزعومہ کی بنا پر آپ ہمیں مطعون کررہے ہیں، ذرا اپنے اکابر کی کتابیں اُٹھا کر دیکھیں وہ سب کی سب آپ کو وہاں نظر آئیں گی اور ان کے علاوہ ایسے اُمور بھی ملیں گے جو فی الواقع بدعاتِ مزعومہ ہیں۔

سب سے پہلے تو آپ اپنے حقیقی اہلِ سنت کے سرگروہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور اپنے حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے پیرومرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات یعنی شمائمِ امدادیہ مصدقہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اور فتاویٰ رشیدیہ کو سامنے رکھ لیجیے اور ''چشم بددور دین مردہ پرستی کے ان شہ سواروں سے قبوری

شریعت'' کے مسائل جانیے، وہ فرماتے ہیں:

۱۔ بزرگوں کی نذر ونیاز جائز ہے۔ (شمائم امدادیہ، صفحہ ۱۳۵)

۲۔ عرس کی تاریخ مقرر کرنا درست ہے۔ (شمائم امدادیہ، صفحہ ۱۳۰)

۳۔ (زاغ معروفہ) مشہور کوا کھانا ثواب ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، جلد دوم، صفحہ ۱۳۰)

۴۔ صحیح بخاری کا ختم پڑھنا جائز ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، جلد اوّل، صفحہ ۸۴)

یہ تو عملیات کا ایک مختصر نمونہ ہے، اس کے بعد چمنِ اعتقادیات کی سیر کیجیے۔ اسی شمائم کے صفحہ ۷۱ پر مرقوم ہے:

''جب اس مراقبہ میں ''ہمہ از اوست'' سے اغماض نظر کر کے ''ہمہ اوست'' کو پیش نظر رکھے تو اس استغراق میں فیض باطنی وجذبۂ غیبی مدد فرماتا ہے''۔

کہیے عامر صاحب! کیسی رہی؟ یہ وہی ''ہمہ اوست'' ہے نہ جسے آپ کے مودودی صاحب ''جاہلیت اور اسلام'' کے ص ۲۴ پر مشرکانہ نظریہ لکھ چکے ہیں؟

غالباً اس عبارت میں کوئی بات عقیدۂ توحید ورسالت کے خلاف نہ ہوگی؟

اور لیجیے: آپ کے حضرت مولانا قاسم العلوم والخیرات صاحب ''آبِ حیات'' میں فرماتے ہیں:

''حیاتِ نبوی بوجہ ذاتیت قابلِ زوال نہیں''۔

(آب حیات، طبع مطبع قدیمی دہلی، ص ۱۰۷)

کیوں جناب؟ یہاں تو کوئی چور دروازہ آپ کو نظر نہ آیا ہوگا

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بندِ قبا دیکھ

عامر صاحب فرماتے ہیں:

''گنے چنے ائمہ وعلمائے دین کے سوا باقی جملہ اکابرین کے عقیدے و مسلک کی فہرست اس عقیدے سے یکسر خالی ہے''۔

گویا عامر صاحب نے تمام اکابر اُمت کے جملہ عقائد اور پورے مسلک کی مکمل

فہرست مرتب کر کے ہمارے سامنے رکھ دی ہے اور بڑے فخر و انداز سے کہہ رہے ہیں کہ دیکھیے اس فہرست میں جملہ اکابر کے تمام عقائد درج ہیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا عقیدہ اس میں کہیں موجود نہیں۔

بجا فرمایا! توہمات کی تاریک وادیوں میں گھومنے والے اسی طرح بھٹکتے ہیں اور ایسے ہی لوگوں کی زبان میں تحکم اور ڈھٹائی کو علم و استدلال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

عامر صاحب! اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جن علما نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا واضح بیان نہیں کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے تاریک سایہ مانتے ہیں۔ تو ایسی سمجھ پر آپ کو اپنا سر پیٹ لینا چاہیے، کیونکہ آپ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ دوسری صدی ہجری کے اواخر یا تیسری صدی کے اوائل سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تاریک سایہ سے پاک ہونے کا مسئلہ اکابر علما، محدثین و ائمہ دین نے اپنی کتابوں میں لکھنا شروع کیا، جسے حکیم ترمذی متوفی ۲۵۵ھ اور سند المحدثین علامہ ابن جوزی متوفی ۵۸۷ھ اور ان کے علاوہ ہر دور میں اکابر اُمت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا عقیدہ اپنی مستند اور مشہور تصانیفِ جلیلہ میں برابر لکھتے چلے آئے ہیں، حتیٰ کہ ہماری اس چودھویں صدی میں اسی نقلِ مسلسل کے ساتھ یہ عقیدہ منقول ہو کر ہم تک پہنچا ہے، جیسا کہ پچھلے صفحات میں عبارات و حوالجات اور مکمل دلائل کے ساتھ اکابر اُمت کی وہ طویل فہرست ہم اپنے ناظرین کرام کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ ایسی صورت میں کسی دشمنِ دین و دانش کا آنکھیں بند کر کے یہ کہہ دینا کہ رسول اللہ کا سایہ نہ ہونے کا عقیدہ بدعت و گمراہی، توحید و رسالت کے منافی ہے، بلکہ حضور کی الوہیت کے لیے (معاذ اللہ) چور دروازہ کھولنا ہے، کتنی بڑی جسارت اور دین و دیانت کے ساتھ عداوت و بغاوت ہے۔

بفرضِ محال اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ عقیدہ (معاذ اللہ) ایسا ہی ہے، جیسا کہ آپ نے بیان کیا تو پھر یہ فرمایئے کہ ایسے جاہلانہ اور مشرکانہ عقیدے کے لیے کسی مسلمان کے دل و دماغ کے کسی گوشے میں جگہ مل سکتی ہے؟ جب نہیں مل سکتی تو ان تمام اکابرین دین و ملت کے دل و دماغ میں یہ عقیدہ اسلامی ہونے کی حیثیت سے کیونکر قائم رہا؟ اگر ان کی غلطی پر محمول کیا جائے تو چودہ سو برس تک کسی کو اس غلطی کا احساس نہ ہوا؟ جن لوگوں کے عقائد کی فہرست

عدمِ ظل کے عقیدہ سے یکسر خالی تھی کم از کم ان کا تو فرضِ اولین تھا کہ وہ اس گمراہ کن عقیدہ کو جڑ بنیاد سے اُکھاڑ کر پھینک دیتے اور اسلام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی الوہیت کے اس چور دروازہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر جاتے بلکہ پوری قوت کے ساتھ اس عقیدہ کی تردید کر دیتے، جیسا کہ ہمیشہ عقائد باطلہ کا ردّ بلیغ کرتے رہے، اس چودہ سو سال کے طویل عرصہ میں عامر صاحب کے سوا...... آج تک کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کے اعتقاد کو ضلالت و گمراہی نہیں کہا نہ کسی نے اس عقیدے کا ابطال کیا، اس سے ثابت ہوا کہ سکوت اختیار کرنے والے حضرات بھی حضور کے سایہ نہ ہونے کے اعتقاد کو ضلالت و جہالت نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اسے حق سمجھ کر خاموش رہے ہیں ایسے موقعوں پر اہلِ حق کی خاموشی بھی دلیلِ رضا ہوتی ہے۔

شاید کوئی بول اُٹھے کہ جب حضور کا سایہ نہ ہونے کی روایتیں موضوع تھیں تو کسی کو بولنے کی ضرورت ہی نہ تھی، تو میں کہوں گا کہ وہ روایتیں جیسی پہلے تھیں آج بھی ویسی ہی ہیں تو عامر صاحب یا ان کے کسی ہم نوا کو اس غوغا آرائی کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟ اور اس بے وقت کی بے سُری راگنی سے کیا حاصل؟ رہا روایات کا موضوع یا ضعیف ہونا، تو اس کے متعلق تو آپ کے حکیم الامت تھانوی صاحب کا حتمی فیصلہ پہلے ہی نقل کیا جا چکا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ روایات موضوع نہیں، ہاں ضعیف ہیں، مگر باب فضائل میں ان سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ کو ایسی ہی ضد اور جسم اقدس کی نورانیت سے بغض و عناد ہے تو عثمانی ہو کر سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی روایت کو ردّ کر دیجیے، حضرت عبد اللہ ابن عباس، ذکوان، ابن مبارک، ابن جوزی رحمہم اللہ کی روایتوں کو پسِ پشت ڈال دیجیے۔

لیکن اتنا بتا دیجیے کہ دوسری صدی ہجری سے لے کر آج تک اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضور پرنور کے جسم اقدس کے سایہ نہ ہونے کے مسئلے کو مانا اور تسلیم کیا یا نہیں؟ اگر آپ انکار کریں تو منقولہ بالا فہرست آپ پر حجت ہوگی، اور اگر اقرار کر لیں تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ اکابر علماے اُمت کی اہم جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سایہ سے اعتقاداً اور قولاً پاک و مبرا مانا ہے اور دوسری جماعت جو خاموش رہی اس کی خاموشی دلیل رضا ہے، فثبت المدعا بالاتفاق۔

اَب اگر کسی میں کچھ ہمت ہے تو ایک دلیل ہی پیش کرے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ فلاں موقع پر فلاں مسلمہ فریقین ہستی نے حضور کا سایہ نہ ماننے والوں پر انکار کیا یا خود حضور کے لیے سایہ کا قول کیا؟ جب ایسی کوئی ایک دلیل بھی نہیں پیش کی جاسکتی تو لازم ہے کہ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم انور کا سایہ نہ ہونے کو اُمت محمدیہ کا اجماعی اور اتفاقی مسئلہ تسلیم کرلیں جیسا کہ آپ کے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے حضور کے سایہ نہ ہونے کو تواتر سے ثابت مانا ہے، ورنہ یاد رکھیے عامر صاحب کہ آپ اپنی کور باطنی اور تاریک خیالی کے ظلمت کدہ میں ٹکریں کھاتے رہیں گے اور اس دائرہ ضلالت سے باہر نکلنے کے لیے کوئی راہ اور روشنی آپ کو نہ مل سکے گی۔ واللہ شدید العذاب

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سایہ کے مسئلہ میں تمہید سے فارغ ہو کر عامر صاحب نے محلِ نزاع کرتے ہوئے ارقام فرمایا:

سب سے پہلے ''محلِ نزاع'' کو کاظمی صاحب کے الفاظ میں دیکھ لیجیے:

''اہلسنت'' (؟) کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بشری جسم اقدس کو ایسا لطیف ونظیف اور پاکیزہ ومطہر کر دیا تھا کہ اس میں کسی قسم کی عنصری اور مادی کثافت باقی نہ رہی تھی، اس لیے چاند، سورج، چراغ وغیرہ کی روشنی میں جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف فرما ہوتے تھے تو جسم اقدس اس روشنی کے لیے حائل نہ ہوتا تھا، اور دیگر اجسام کثیفہ کی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم پاک کا کوئی تاریک سایہ نہ پڑتا تھا''۔

(ماہنامہ تجلی، دیوبند، بابت جون ۱۹۶۰ء، ص ۴۷)

اس کے بعد میری اسی منقولہ عبارت پر تعاقب کرتے ہوئے عامر صاحب رقم طراز ہیں کہ:

''سلیم الطبع اور عدل پسند حضرات کے لیے تو اس نام نہاد مسلک کی لغویت کسی لمبی گفتگو کی محتاج نہیں۔ اِن سالکین سے کوئی پوچھے، بول وبراز، منی، تھوک وغیرہ عنصری اور مادی کثافتیں ہیں یا نورانی لطافتیں؟ کیا آپ یوں

بھی کہیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حوائج ضروریہ سے مبرا تھے؟ ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے، پھر یہ کیا بات ہوئی کہ:

''کسی قسم کی عنصری اور مادی کثافت باقی نہیں رہی تھی''۔

''سلیم الطبع'' کی ترکیب میں اگر آپ نے لفظ ''سلیم'' ''سلمتہ الحیۃ'' سے اخذ فرمایا ہے یا بطور ''تفاؤل بالسلامۃ'' لکھا ہے تو بالکل صحیح ہے۔ یقیناً لدیغ الطبع لوگوں کے نزدیک اس نورانی، پاکیزہ اور مقدس مسلک کی لغویت کسی لمبی گفتگو کی محتاج نہیں، لیکن جو لوگ گمراہی اور بدعقیدگی کے سانپوں کے ڈسے ہوئے نہیں اور ان کے طبائع اس قسم کے ناپاک زہریلے اثرات سے پاک ہیں وہ اسی کو حق سمجھتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ حضور نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہر قسم کی کثافتوں اور نجاستوں سے قطعاً پاک اور مبرا ہیں۔

عامر صاحب نے ہمارے مسلک کو صرف ایک بنیادی نقطہ پر لغو قرار دیا ہے، اور وہ یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مادی کثافتوں اور بشری نجاستوں سے پاک نہ تھے اور اس دعوے کو انہوں نے بول و براز، تھوک و منی وغیرہ سے ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے، اور جس طرح فقیر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت ثابت کر کے سایہ نہ ہونے کو لوازمات سے قرار دیا تھا، اسی طرح عامر صاحب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت مطہرہ کو سامنے رکھ کر سایہ ہونے کو لوازم بشریت سے قرار دے رہے ہیں، لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ سایہ ہونا مطلق بشریت کے لوازم سے نہیں بلکہ کثیف بشریت کے لوازم سے ہے، عامر صاحب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت منورہ کو معاذ اللہ اپنی گندی، کثیف اور غلیظ بشریت پر قیاس کر لیا، حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ باوجود اتصاف بالبشریہ کے جمیع عیوب ونقائص بشریت اور تمام مادی کثافتوں اور غلاظتوں سے پاک ہے، تاریک سایہ کثافت کے بغیر نہیں ہوتا، جب حضور علیہ السلام کثافت سے پاک ہیں تو تاریک سایہ سے بھی پاک ہیں۔ رہے حوائج بشریہ وفضلات مقدسہ تو یاد رکھیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہر حاجت وضرورت کثافت سے پاک تھی، حتیٰ کہ فضلاتِ شریفہ بھی طیب وطاہر، لطیف ونظیف تھے، اور بدنِ اقدس اپنی پاکی وطہارت، لطافت و نظافت میں بے مثل و بے نظیر تھا۔

حوائج بشریہ ضروریہ سے ہم حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مستثنیٰ نہیں سمجھتے، مگر اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ حضور کی ذاتِ مقدسہ میں عنصری اور مادّی کثافتیں بھی موجود تھیں۔ ہر ایک کے حوائج وضروریات اس کے حسب حال ہوتے ہیں،، کثیف اور غلیظ موجودات کے حوائج و ضروریات کثیف وغلیظ ہوں گے اور جس وجودِ اقدس کو اللہ تعالیٰ نے کثافت وغلاظت سے پاک کر کے لطیف ونظیف بنادیا ہو اس کے حوائج ضروریہ بھی کثافت وغلاظت سے پاک اور لطیف ونظیف ہوں گے۔

خلقتِ محمدی بے نظیر ہے

چونکہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خلقت تمام کائنات میں کسی سے مناسبت نہیں رکھتی اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوائج ضروریات کو بھی کسی کے حوائج وضروریات سے قطعاً کوئی مناسبت نہیں، دیکھیے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مکتوبات شریف، جلد سوم، مکتوب صدم، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ، ص ۱۸۷ میں فرماتے ہیں:

"باید دانست کہ خلق محمدی در رنگ خلق سائر افراد انسانی نیست بلکہ بخلق ہیچ فردے از افراد عالم مناسبت ندارد کہ اُو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم با وجود نشأۃ عنصری از نور حق جل وعلی مخلوق گشتہ است کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام خلقت من نور اللہ"۔

"جاننا چاہیے کہ پیدائش محمدی دیگر افراد انسانی کے پیدائش کے رنگ میں نہیں ہے بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلقت افراد عالم میں سے کسی فرد کی خلقت کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتی اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "خلقت من نور اللہ" میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا"۔

عامر صاحب ذرا بتائیں کہ مجدد صاحب کے اس بیان میں کہیں عیسائیت کے لیے کوئی چور دروازہ تو نظر نہیں آتا۔

خلقتِ محمدی کا لطیف ونظیف ہونا

اے کاش یہ لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مادی کثافتیں ثابت کرنے سے پہلے اس

حقیقت کو سامنے رکھ لیتے کہ عام انسان نجاست وغلاظت میں لتھڑے ہوئے پیدا ہوتے ہیں اور انہیں پیدائش کے بعد غسل دے کر صاف ستھرا کیا جاتا ہے، مگر حضور نبی کریم ﷺ پاک پیدا ہوئے، صرف یہی نہیں بلکہ حضور ﷺ پیدائشی طور پر بشریت کی کثافتوں سے پاک تھے، حضور ﷺ کی ولادت باسعادت نور وضیاء کے ساتھ ہوئی اور اس روشنی میں شام کے محلات چمکنے لگے، ملا علی قاری شرح شفاء میں فرماتے ہیں:

"وروی عن اُمه آمنة انها قالت ولدته نظیفا ای نقیا ما به قذر ای وسخ ودرن کذا رواه ابن سعد فی طبقاته وروی انه ولدته أمه بغیر دم ولا وجع"۔ انتہی

(شرح شفاء لعلی القاری، جلد ۱، ص ۱۶۵، مطبوعہ مصر)

"حضور علیہ السلام کی والدہ حضرت آمنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور کو صاف ستھرا اور پاکیزہ جنا، حضور کے ساتھ کوئی گندگی اور میل وغیرہ نہ تھا، اسی طرح اس حدیث کو ابن سعد نے طبقات میں روایت کیا اور یہ بھی مروی ہے کہ حضور کی والدہ نے حضور کو بلا خون اور بغیر کسی درد کے جنا"۔ [۱]

[۱] (عین وقت ولادت شریفہ کوئی درد نہیں ہوا، البتہ اس سے پہلے (مخاض) دردِ زہ کی نفی اس سے لازم نہیں آتی۔)

حقیقت محمدی کی نورانیت

اور فتح الباری میں علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"ومما ظهر من علامات نبوته عند مولده وبعده ما اخرج الطبرانی عن عثمان بن ابی العاص الثقفی عن امه انها حضرت آمنة ام النبی ﷺ فلما ضربها المخاض قالت فجعلت انظر الی النجوم تدلی حتیٰ اقول لتقعن علیّ فلما ولد خرج منها نور اضاء له البیت وقال سمعت رسول الله ﷺ یقول انی عبدالله وخاتم النبیین وان آدم

لمنجدل فی طینته وسا خبر کم عن ذلك، انی دعوة ابی ابراهیم وبشارة عیسیٰ ورویا امی امتی رأت و کذلك امهات النبیین یرین وام رسول الله ﷺ رأت هین وضعته نوراً اضاءت له قصور الشام اخرجه احمد وصحه ابن حبان والحاکم فی حدیث ابی امام عنده احمد نحوه و اخرج ابن اسحاق عن ثور ابن یزید عن خالد بن معدانی عن اصحاب رسول الله ﷺ نحوه وقالت اضاءت له بصری من ارض الشام"۔

(فتح الباری، جلد ۶، ص ۴۵۴، ۴۵۵)

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ علاماتِ نبوت جو ولادتِ مقدسہ کے وقت اور اس کے بعد ظاہر ہوئے ان میں سے بعض وہ ہیں جن کا اخراج طبرانی نے کیا ہے، عثمان بن ابی العاص ثقفی نے اپنی والدہ سے روایت کیا، وہ فرماتی ہیں کہ عندالولادت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر تھی، جب انہیں دردِ زہ لاحق ہوا تو میں نے ستاروں کو دیکھا اس قدر نزدیک ہو گئے کہ گویا مجھ پر گرے پڑتے تھے، جب حضرت آمنہ نے حضور کو جنا تو حضرت آمنہ سے ایک ایسا نور نکلا کہ جس سے سارا گھر منور ہو گیا اور ساری حویلی روشن ہو گئی، اس حدیث کا شاہد حضرت عرباض بن ساریہ کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا میں اس وقت خاتم النبیین تھا جب آدم علیہ السلام اپنے خمیر میں تھے اور اس کے متعلق میں تمہیں بتاؤں گا (اور وہ یہ ہے) بے شک میں ابراہیم علیہ السلام کی دُعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور اپنی والدہ ماجدہ کی وہ خواب ہوں جو انہوں نے دیکھی تھی اور اس طرح انبیاء علیہم السلام کی ماؤں کو خوابیں دکھائی جاتی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے حضور علیہ السلام

کو جنتے وقت ایک ایسا نور دیکھا تھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے، اس حدیث کا امام احمد نے اخراج کیا اور ابن حبان و حاکم نے اس کو صحیح کہا اور امام احمد کے نزدیک ابوامامہ کی حدیث اسی مانند ہے اور ابو اسحاق نے ثور بن یزید سے بروایت خالد بن معدانی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے بھی اسی کی مانند روایت کیا اور اس روایت میں ہے کہ اس نور کی وجہ سے ارض شام کا شہر بصری روشن ہو گیا''۔

اور ابن کثیر میں اسی واقعہ کی روایت میں یہ مضمون بھی وارد ہوا کہ ولادت باسعادت کے وقت جو نورِ محمدی چمکا اس کی روشنی میں ملک شام کے شہر بصری کے اونٹوں کی گردنیں چمکنے لگیں۔

چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خلقت بے نظیر لطیف و نظیف اور نورانی ہے، کسی قسم کی غلاظت و کثافت جسم اقدس میں نہیں پائی جاتی اس لیے حضور علیہ السلام کا پسینۂ مبارک بلکہ تمام جسم اقدس حتیٰ کہ خون مبارک بھی انتہائی خوشبودار تھا۔

جسم اقدس، پسینہ مبارک اور خون مبارک کا خوشبودار ہونا

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کا مادی کثافتوں سے پاک ہونا ان احادیث شریفہ سے بھی روز روشن کی طرح واضح ہے جن میں وارد ہوا کہ حضور کی خوشبو کا مقابلہ دنیا کی کوئی خوشبو نہ کر سکتی تھی، حضرت انس فرماتے ہیں:

(۱) "ماشممت عنبر اقط ولا سکا ولا شیئا اطیب من ریح رسول اللہ ﷺ"۔

(مسلم شریف، جلد ۲، ص ۲۵۷)

''میں نے کوئی مشک و عنبر یا کوئی شئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو مبارک جیسی خوشبو نہیں سونگھی''۔

(۲) ''اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے

فرمایا کہ جب حضور ﷺ مدینہ کی راہوں میں سے کسی راہ سے گزرتے تو اہلِ مدینہ ان راہوں میں مہکتی ہوئی خوشبو پاتے تھے اور کہتے تھے کہ اس راستے سے رسول اللہ ﷺ گزرے ہیں، اس حدیث کو ابو یعلی اور بزار نے صحیح السند سے روایت کیا"۔

(مواہب الدنیہ، جلد ۱، ص ۲۸۲)

(۳) حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے رخسار کو چھوا تو انہوں نے حضور کے دست اقدس کی ٹھنڈک محسوس کی اور ایسی تیز خوشبو پائی گویا کہ حضور ﷺ نے عطر فروش کے عطر کے کپے سے اپنے مبارک ہاتھ کو نکالا ہے اور ان کے غیر نے کہا کہ حضور ﷺ خوشبو لگائیں یا نہ لگائیں بہر صورت حضور سے مصافحہ کرنے والا اپنے ہاتھ میں تمام دن حضور ﷺ کے دست مبارک کی خوشبو پاتا تھا اور حضور ﷺ کسی بچے کے سر پر اپنا دست مبارک رکھ دیتے تھے تو حضور ﷺ کی خوشبو کی وجہ سے دوسرے بچوں میں پہچان لیا جاتا تھا"۔

(مواہب الدنیہ، جلد ۱، ص ۲۸۳)

(۴) "حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور دوپہر کو آرام فرمایا، سوتے میں حضور علیہ السلام کو پسینہ آ رہا تھا، میری والدہ ایک شیشی لے آئیں اور اس میں حضور ﷺ کے پسینہ مبارک کو جمع کیا، حضور ﷺ بیدار ہو گئے اور فرمایا کہ اے اُم سلیم یہ کیا کر رہی ہو؟ میری والدہ نے عرض کیا حضور! یہ آپ کا پسینہ ہے ہم اسے اپنی خوشبو بنا رہے ہیں اور یہ سب خوشبوؤں سے اعلیٰ درجہ کی خوشبو ہے"۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا۔

(مواہب الدنیہ، جلد ۱، ص ۲۸۳)

(۵) امام قسطلانی شارح بخاری مواہب الدنیہ میں فرماتے ہیں:

"واما طيب ريحه ﷺ وعرقه وفضلاته فقد كانت الرائحة الطيبة صفته ﷺ وان لم يمس طيبا"۔

(مواہب الدنیہ، جلد ا، ص ۲۸۳)

ترجمہ: "بہرنوع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریح مبارک، پسینہ مقدس اور حضور کے فضلات شریفہ کی مہکتی ہوئی خوشبوئیں سب حضور کی ذاتِ مقدسہ کی صفات تھیں، خواہ حضور خوشبو لگائیں یا نہ لگائیں"۔

(۶) "ابو یعلی اور طبرانی نے ایک شخص کا قصہ روایت کیا کہ اس کے پاس کچھ نہ تھا اور اسے اپنی بیٹی کی شادی کرنا تھی، اُس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استعانت کی۔ حضور نے اس سے ایک شیشی منگائی اور اس میں اپنا مبارک پسینہ بھر کر اُسے دے دیا اور فرمایا اپنی لڑکی سے کہو کہ وہ اپنے بدن پر میرے پسینہ کو بطور خوشبو استعمال کرے، جب وہ لڑکی حضور کے مبارک پسینہ کو بطور خوشبو استعمال کرتی تو تمام اہل مدینہ اس کی خوشبو سے معطر ہو جاتے تھے اس لیے لوگوں نے اس گھر کا نام بیت المطیبین خوشبو والوں کا گھر رکھ دیا"۔

(مواہب الدنیہ، جلد ا، ص ۲۸۲)

(۷) "وروی انه كان يتبرك ببوله ودمه ﷺ"۔

"روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیشاب اور خون مبارک سے برکت حاصل کی جاتی تھی"۔

(مواہب الدنیہ، جلد ا، ص ۲۸۴)

(۸) "وفی كتاب الجوهر المكنون فی ذكر القبائل والبطون: أنه لما شرب، ای عبدالله ابن الزبير، دمه تضوع فمه مسكاً، وبقيت رائحته موجودة فی فمه الی أن صلب رضی الله عنه"۔

(مواہب الدنیہ، جلد ا، ص ۲۸۴)

"کتاب جوہر مکنون میں ہے کہ جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بدن سے پچھنوں کے ذریعہ نکالا ہوا) خون پیا تو ان کے دہن مبارک سے مشک کی خوشبو مہکی اور وہ خوشبو ان کے منہ سے ہمیشہ مہکتی رہی یہاں تک کہ ان کو سولی دی گئی (رضی اللہ عنہ)"۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بول وبراز مبارک جمیع فضلاتِ شریفہ کا طیب وطاہر اور پاک ہونا

"ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رات کو اُٹھے ایک برتن میں پیشاب فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خادمہ جن کا نام اُم ایمن یا برکہ ہے وہ فرماتی ہیں کہ مجھے پیاس لگی تو میں نے پانی سمجھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پیشاب مبارک پی لیا، صبح کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ حضور وہ میں نے پی لیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تجھے کبھی پیٹ کی بیماری نہ ہوگی"۔

(نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض، جلد ۱، ص ۴۴۸، ۴۴۹)

محدثین کرام ملا علی قاری، علامہ شہاب الدین خفاجی نے فرمایا کہ یہ حدیث بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے اور اسی لیے دار قطنی محدّث نے امام بخاری اور امام مسلم پر الزام عائد کیا کہ جب یہ حدیث بخاری ومسلم کی شرط کے موافق صحیح تھی تو انہوں نے اس کو اپنی صحیحین میں کیوں درج نہ کیا، اگرچہ یہ الزام صحیح نہیں اس لیے کہ شیخین نے کبھی اس بات کا التزام نہیں کیا کہ جو حدیث ہماری مقرر کی ہوئی شرط پر صحیح ہوگی ہم ضرور اس کو اپنی صحیحین میں لائیں گے، لیکن دار قطنی کے اس الزام سے یہ بات ضرور ثابت ہوگئی کہ یہ حدیث علی شرط الشیخین صحیح ہے"۔

(دیکھیے نسیم الریاض، جلد ۱، ص ۴۴۸ اور شرح شفاء ملا علی قاری، جلد ۱، صفحہ ۱۶۳)

اس حدیث سے اور اسی مضمون کی دیگر احادیثِ صحیحہ سے جلیل القدر ائمہ دین اور اعلام اُمت محدثین کرام اور فقہا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بول مبارک بلکہ جمیع فضلات شریفہ کی طہارت کا قول کیا جیسا کہ بالتفصیل عبارات نقل کی جائیں گی بلکہ بعض روایات حضرات محدثین وشارحین کرام نے اس مضمون میں وارد فرمائی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بول وبراز

مبارک مشک وعنبر سے زیادہ خوشبودار تھا چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح شفاء میں حسب ذیل روایت نقل فرماتے ہیں:

(۱) "وروی ان رجلاً قال رایت النبی ﷺ أبعد فی المذهب فلما خرج نظرت فلم أر شیئاً ورایت فی ذلك الموضوع ثلثة احجار اللاتی استنجی بهن فأخذتهن فاذا بهن یفوح منهن روائح المسك فکنت اذا جئت یوم الجمعة المسجد اخذتهن فی کمی فتغلب رائحتهن روائح من تطیب وتعطر".

(شرح شفاء لعلی القاری، مطبوعہ مصر، جلد ا، ص ۱۶۲۔ مکتبۃ العلمیہ بیروت، ص ۱۷۰)

"(صحابہ کرام میں سے) ایک مرد سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرورت رفع فرمانے کے لیے بہت دُور تشریف لے گئے۔ جب واپس تشریف لائے تو میں نے اس جگہ نظر کی کچھ نہ پایا البتہ تین ڈھیلے پڑے تھے جن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استنجا فرمایا تھا میں نے انہیں اُٹھالیا، ان ڈھیلوں سے مشک کی خوشبوئیں مہک رہی تھیں، جمعہ کے دن جب مسجد میں آتا تو وہ ڈھیلے آستین میں ڈال کر لاتا ان کی خوشبو ایسی مہکتی کہ تمام عطر اور خوشبو لگانے والوں کے خوشبو پر"۔

(۲) علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری، فتح الباری شرح بخاری میں طہارۃ فضلاۃ شریفہ کا مضمون یوں ارقام فرماتے ہیں:

"وقد تکاثرت الادلة علی طهارة فضلاة وعد الائمة ذلك فی خصائصه فلا یلتفت الی ماوقع فی کتب کثیر من الشافعیه مما یخالف ذلك فقد استقو الامر بین ائمتهم علی القول بالطهارة".

(فتح الباری شرح صحیح بخاری، جلد ا، ص ۲۱۸)

"بے شک بڑی کثرت سے دلیلیں قائم ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات

شریفہ کے طاہر ہونے پر اور ائمہ نے اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے شمار کیا ہے۔ لہٰذا اکثر شافعیہ کی کتابوں میں جو اس کے خلاف واقع ہوا ہے قطعاً قابل التفات نہیں اس لیے کہ ان کے ائمہ کے درمیان پختہ اور مضبوط قول طہارۃ فضلات ہی کا ہے''۔

(۳) اسی طرح علامہ بدرالدین عینی حنفی شارح بخاری عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات شریفہ کی طہارۃ کا قول کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''وقد ورودت احادیث کثیرۃ ان جماعۃ شربوا دم النبی ﷺ منھم ابو طیبۃ الحجام وغلام من قریش حجم النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وعبداللہ ابن الزبیر شرب دم النبی ﷺ رواہ البزار والطبرانی والحاکم والبیھقی وابونعیم فی الحلیۃ ویروی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ شرب دم النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وروی ایضاً ان اُم ایمن شربت بول النبی ﷺ رواہ الحاکم والدارقطنی وابو نعیم واخرج الطبرانی فی الاوسط فی روایۃ سلمی امرۃ ابی رافع انھا شربت بعض ماء غسل بہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فقال لھا حرم اللہ یدنک علی النار وقال بعضھم الحق ان حکم النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کحکم جمیع المکلفین فی الاحکام التکلیفیتۃ الافیما یخص بدلیل قلت یلزم من ھذا ان یکون الناس مساویاً للنبی علیہ الصلوۃ والسلام ولا یقول ذلک الاجاھل غبیۃ واین مرتبتہ من مراتب الناس والایلزم ان یکون دلیل الخصوص بالنقل دائماً والعقل لہ مدخل فی تمیز النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام من غیرہ فی مثل ھذا

الاشیاء وانا اعتقد انه لا یقاس علیه غیرہ وان قالوا غیر ذلک فاذنی عنه صماء۔ انتہیٰ

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، جلد ا، ص ۷۷۸)

”بے شک بہت سی حدیثیں اس بارہ میں وارد ہوئیں کہ صحابہ کی ایک جماعت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون مبارک پیا ان میں حضرت ابوطیبہ حجام ہیں اور ایک قریشی لڑکا ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پچھنے لگائے تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون اقدس پیا، روایت کیا ہے اسے بزار نے اور طبرانی نے اور حاکم نے اور بیہقی نے اور ابونعیم نے حلیہ میں اور حضرت علی مرتضیٰ سے بھی مروی ہے انہوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خونِ اقدس پیا نیز مروی ہے کہ حضرت اُم ایمن نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیشاب مبارک پیا۔ اس حدیث کو حاکم نے دار قطنی نے اور ابونعیم نے روایت کیا اور طبرانی نے اوسط میں ابورافع کی عورت سلمٰی کی روایت میں اخراج کیا کہ سلمٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غسل میں استعمال کیا ہوا پانی پیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس پانی کی وجہ سے تجھ کو دوزخ پر حرام فرما دیا۔ بعض کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احکامِ تکلیفیہ میں دیگر مکلفین کی طرح ہیں سوائے اس چیز کے جو دلیل سے خاص ہو، میں کہتا ہوں کہ اس قول سے تو لازم آتا ہے کہ (معاذ اللہ) عام لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مساوی ہو جائیں اور ایسی بات سوائے جاہل غبی کے اور کوئی نہیں کہہ سکتا۔ بھلا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ کو لوگوں کے مرتبہ سے کیا نسبت اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ دلیل خصوص ہمیشہ نقل ہی سے ہو حقیقت یہ ہے کہ ان چیزوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے غیروں سے ممتاز ہونا ایسی بات ہے جس میں عقل کو بھی دخل ہے اور میرا اعتقاد تو یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غیر کا قیاس نہیں کیا جا سکتا، اور اگر کوئی شخص اس کے خلاف کچھ کہتا ہے تو میرے

کان اس کے سننے سے بہرے ہیں''۔

عامر صاحب ذرااس نورانی بیان کو پڑھیں اور اپنی بدعقیدگی کا علاج فرمائیں۔

(۴) اسی طرح امام قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب الدنیہ شریف میں حضور ﷺ کے تمام فضلات شریفہ کی پاکی اور طہارۃ کا حسب ذیل عبارت میں نورانی بیان فرماتے ہیں:

"وروی انه کان یتبرك ببوله ودمه ﷺ"۔

''مروی ہے کہ حضور ﷺ کے پیشاب اور خون مبارک سے برکت حاصل کی جاتی تھی۔''

(مواہب الدنیہ، جلد ۱، ص ۲۸۴)

آگے چل کر فرماتے ہیں:

"وفی کتاب الجوهر المکنون فی ذکر القبائل والبطون: أنه لما شرب، ای عبدالله ابن الزبیر، دمه تضوع فمه مسكاً، وبقیت رائحته موجودة فی فمه الی أن صلب رضی الله عنه"۔

(مواہب الدنیہ، جلد ۱، ص ۲۸۴)

'' کتاب جوہر مکنون فی ذکر القبائل والبطون'' میں ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جب حضور ﷺ کا خون مبارک پیا تو ان کے منہ سے مشک کی خوشبو مہکی اور وہ خوشبو ان کے منہ میں انہیں سولی دیئے جانے تک باقی رہی (رضی اللہ عنہ)''۔

آگے چل کر اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

" قال النووی فی شرح المهذب واستدلال من قال بطهارتهما بالحدیثین المعروفین ان ابا طیبة الحجام حجمه ﷺ وشرب دمه ولم ینکر علیه، وان امرأة شربت بوله ﷺ فلم ینکر علیها، وحدیث ابی طیبة ضعیف، وحدیث شرب

البول صحیح رواہ الدار قطنی وقال ھو حدیث حسن صحیح وذلك کاف فی الاحتجاج لکل الفضلات قیاساً. ثم ان القاضی حسیناً قال الاصح القطع بطھارۃ الجمیع انتھیٰ"۔
(مواہب الدنیہ، جلد ا، ص ۲۸۵)

"علامہ نووی نے شرح مہذب میں فرمایا اور استدلال کیا ان لوگوں نے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے حدیثیں معروفین یعنی بول و براز (پیشاب پاخانہ) کی پاکی اور طہارۃ کے قائل ہیں اس حدیث سے کہ حضرت ابوطیبہ حجام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پچھنے لگائے اور حضور علیہ السلام کا (پچھنوں سے نکلا ہوا) خون پی گئے، اور حضور علیہ السلام نے ان پر انکار نہ فرمایا نیز ایک عورت نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیشاب مبارک پی لیا اور اس پر بھی حضور نے انکار نہ فرمایا۔ ابوطیبہ والی حدیث ضعیف ہے اور بول مبارک پینے کی حدیث صحیح ہے، اسے دار قطنی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور یہ حدیثیں ایک کا دوسرے پر قیاس کر کے تمام فضلات شریفہ کی طہارۃ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں، اس کے بعد علامہ نووی نے فرمایا کہ قاضی حسین کا قول اس مسئلہ میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام فضلات شریفہ کو قطعاً طاہر مانا جائے"۔

اسی طرح نسیم الریاض، جلد ا، صفحہ ۴۴۸، زرقانی شرح مواہب، جلد ۴، ص ۲۳۱، مدارج النبوۃ وغیرہ معتبر کتابوں میں حضور علیہم السلام کے فضلات شریفہ کی طہارۃ منصوص ومرقوم ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مسئلہ کو شامی میں ارقام فرمایا:

" وصحیح بعض ائمۃ الشافعیۃ طھارۃ بولہ ﷺ وسائر فضلاتہ وبہ قال ابو حنیفۃ کما نقلہ فی المواھب اللدنیہ عن شرح البخاری للعینی وصرح بہ البیری فی شرح الاشباہ وقال الحافظ ابن الحجر تظافرت الادلۃ علی ذلك وعد الائمۃ ذلك من خصائصہ ﷺ ونقل بعضھم عن شرح

مشکوٰۃ لملا علی القاری انه قال اختار کثیر من اصحابنا واطال فی تحقیقه فی شرحه علی الشمائل فی باب ماجاء فی تعطره علیه الصلوٰۃ والسلام"۔ انتھی

"اور صحیح قرار دیا بعض ائمہ شافعیہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیشاب مبارک اور باقی تمام فضلات شریفہ کی طہارۃ اور پاکیزگی کو اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جیسا کہ مواہب میں عینی شرح بخاری سے نقل کیا ہے اور اس کی تصریح علامہ ببری نے شرح اشباہ میں فرمائی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری نے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بول مبارک اور تمام فضلات شریفہ کی پاکی اور طہارۃ پر قوی دلیلیں قائم ہیں اور ائمہ نے اسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص کریمہ میں شمار کیا ہے اور بعض علما نے ملّا علی قاری کی شرح مشکوٰۃ سے نقل کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ ہمارے اکثر اصحابِ حنفیہ کا اس مسئلے میں پسندیدہ قول یہی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جمیع فضلاتِ شریفہ طیب وطاہر اور پاک ہیں اور ملا علی قاری نے اپنی شرح علی الشمائل باب ماجاء فی تعطرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں طہارۃ فضلاۃ شریفہ کو ثابت کرنے کے لیے پوری تحقیق کے ساتھ طویل کلام فرمایا ہے"۔ انتھی

طہارتِ فضلات شریفہ کے ثبوت میں جلیل القدر علماء محدثین کی اتنی بے شمار عبارتیں ہیں کہ اگر ان تمام کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے، بخوف طوالت ہم قدرِ ضرورت پر اکتفا کرتے ہیں اور ان تمام دلائل کے بعد اتمام حجۃ کے لیے عامر صاحب کے صرف دو مقتداؤں کی دو مختصر عبارتیں نقل کر کے اس بحث کو آخری نتیجہ پر ختم کرتے ہیں۔

ملاحظہ کیجیے! آپ کے مولوی انور شاہ صاحب کشمیری نے فیض الباری میں ارقام فرمایا جس کا خلاصہ اُردو زبان میں حسب ذیل ہے:

"امام بخاری نے باب استعمال فضل وضوء الناس، منعقد کر کے ماء مستعمل کی طہارۃ کا قول فرمایا۔ اس قول کے ثبوت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ماء مستعمل

کی طہارۃ سے استدلال کیا مگر یہ استدلال میرے نزدیک محلِ نظر ہے۔ اگر چہ فی نفسہٖ مسئلہ درست ہے، استدلال کے صحیح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علماء اُمت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضلاتِ شریفہ کی طہارت کی طرف گئے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضلات پاک ہیں تو وضو سے بچا ہوا پانی کیوں پاک نہ ہوگا؟ لہٰذا حضور علیہ السلام کے ماء مستعمل کے پاک ہونے سے مطلقاً ہر ایک کے مستعمل پر حجت قائم نہیں ہوسکتی"۔ الخ

(فیض الباری، جلد اوّل، صفحہ ۲۸۹)

دیکھیے! آپ کے مولوی انور شاہ صاحب کشمیری نے طہارۃ فضلاتِ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو علمائے اُمت کا مذہب بتایا۔

اس کے بعد نشر الطیب اُٹھا کر دیکھیے آپ کے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کیا فرما رہے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"اور مروی ہے کہ آپ جب بیت الخلاء میں جاتے تھے تو زمین پھٹ جاتی اور آپ کے بول و براز کو نگل جاتی اور اس جگہ نہایت پاکیزہ خوشبو آتی۔ حضرت عائشہ نے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسی لیے علما آپ کے بول براز کے طاہر ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔ ابوبکر بن سابق مالکی اور ابونصر نے ان کو نقل کیا ہے اور مالک بن سنان یوم اُحد میں آپ کا خون (زخم کا) چوس کر پی گئے۔ آپ نے فرمایا اس کو کبھی دوزخ کی آگ نہ لگے گی اور عبداللہ بن زبیر نے آپ کا خون جو پچھنے لگانے سے نکلا تھا پی لیا تھا، اور آپ کی خادمہ برکہ اُم ایمن نے آپ کا بول پی لیا تھا۔ سو اُن کو ایسا معلوم ہوا جیسا شیریں نفیس پانی ہوتا ہے"۔

(نشر الطیب، صفحہ ۱۶۲، ۱۶۳)

ہاں! جناب عامر صاحب! دیکھا آپ نے؟ آپ کے تھانوی صاحب نے حدیثوں سے ثابت کیا ہے کہ جس جگہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بول و براز فرما دیا وہاں نہایت پاکیزہ خوشبو آتی

تھی اور آپ کے تھانوی صاحب ہی فرما رہے ہیں کہ اُم ایمن نے جب حضور ﷺ کا بول مبارک پیا تو انہیں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے شیریں نفیس پانی ہوتا ہے۔

خدا لگتی کہیے! حضور ﷺ کے فضلاتِ شریفہ کے یہ پاکیزہ اوصاف مادّی کثافتیں ہیں یا نورانی لطافتیں؟

ایک اعتراض کا جواب

اگر اس مقام پر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور ﷺ کے مبارک کپڑے سے حضور کے خشک مادۂ منویہ کو کھرچ دیتی تھیں اور تر ہونے کی صورت میں دھو دیا کرتی تھیں کہ اگر حضور کی منی پاک ہوتی تو یہ کھرچنا اور دھونا کس لیے تھا۔ نیز حضور سیّد عالم ﷺ حوائج ضروریہ سے فراغت پا کر وضو اور غسل کیوں فرماتے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کا بول و براز اور منی وغیرہ فضلات طیب وطاہر اور پاک ہیں، جیسا کہ ہم بکثرت دلائل و براہین سے اس دعویٰ کو ثابت کر چکے ہیں۔ اس کے باوجود حکمتِ تعلیم کی بنا پر خود حضور ﷺ کے حق میں وہ فضلاۃ شریفہ نواقضِ وضو اور موجباتِ غسل کا حکم رکھتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اُمت کو غسل و وضو کے مسائل اور لباس و بدن کے پاک کرنے کے طریقے کیسے معلوم ہوتے؟ چنانچہ فتاویٰ سعدیہ فی فقہ الحنفیہ میں مفتی الانام علامہ سیّد اسعد المدنی الحسینی انبیاء علیہم السلام کی منی کے پاک ہونے کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

الجواب: "اعلم هداك الله الى اصوب الصواب ان منى نبينا ﷺ وكذلك سائر فضلاته طاهرة عند علمائنا الحنفية كما ستذكره"۔

"جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں راہ صواب کی طرف ہدایت بخشے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کی منی مبارک اور اس کے علاوہ حضور علیہ السلام کے تمام فضلاتِ شریفہ ہمارے علمائے حنفیہ کے نزدیک طیب وطاہر ہیں جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے"۔

چند سطور کے بعد فرماتے ہیں:

"قولنا بالطهارة ليس هو على اطلاقه بل هو في حق غيره ﷺ واما في حق نفسه ﷺ فهو باق على حكمه الاصلي"۔ انتهى

"حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات شریفہ کی طہارت کا قول اپنے اطلاق پر نہیں بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غیر حق میں ہے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں وہ اپنے حکم اصلی پر باقی ہے"۔ انتہی

گویا جو فضلاتِ شریفہ اُمت کے حق طیب وطاہر ہیں ان کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں حکماً غیر طاہر ہونا ایسا ہے جیسا حسنات الابرار سیأت المقربین۔

اس کے بعد طہارۃ فضلات شریفہ پر دلیل قائم فرماتے ہوئے ان احادیث کو علامہ اسعد الحسینی نے ارقام فرمایا جو اس سے پہلے ہم پیش کر چکے ہیں۔ مثلاً ایک قریشی غلام اور مالک بن سنان اور عبداللہ ابن زبیر اور حضرت ابوطیبہ کا مختلف اوقات میں حضور علیہ السلام کا خون مبارک پینا اور حضور کا ان پر انکار نہ فرمانا بلکہ ان کے اس فعل پر انہیں جنت کی خوش خبری سنانا اور بعض کے حق میں دوسرے الفاظ تعریف وستائش ارشاد فرمانا نیز حضرت اُم ایمن اور اُم یوسف کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بول مبارک کو پی لینا اور یہ سن کر حضور کا مسکرانا اور صحت وشفا کی خوش خبری ارشاد فرمانا بیان فرما کر صاحب الفتاویٰ الاسعدیہ نے فرمایا کہ یہ احادیث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام فضلاتِ شریفہ کے پاک ہونے کو ثابت کرتی ہیں اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا"۔ انتہی

(فتاویٰ اسعدیہ، جلد ۱، ص ۴)

الحمدللہ فتاویٰ اسعدیہ کے اس بیان سے ہمارا مسلک اچھی طرح واضح ہوگیا اور جو اعتراض وارد کیا گیا تھا اس کا شافی جواب بھی ناظرین کے سامنے آ گیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک تھوک اور بینی شریف کی ریزش

کوئی کتنا ہی بزرگ اور کیسا ہی محبوب کیوں نہ ہو لیکن طبعی اور فطری طور پر اس کے فضلات بول وبراز، پسینہ، رینٹھ، تھوک وغیرہ موجب نفرت ہی ہوتے ہیں۔ عقیدت اور چیز

ہے، لیکن کثیف اور غلیظ چیزوں سے طبعی طور پر نفرت کا ہونا امر آخر ہے۔

ناظرین کرام پڑھ چکے ہیں کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات شریفہ بول و براز پسینہ کو کس طرح رغبت اور چاہت کے ساتھ حاصل کرتے تھے اور اس کے استعمال میں انتہائی راحت لذت و سرور پاتے تھے۔ یہی معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تھوک مبارک اور بینی مبارک کی ریزش کے ساتھ صحابہ کرام کرتے تھے، دیکھیے بخاری شریف میں ہے:

"واللہ ان نخامۃ الا وقعت فی کف رجل منھم فدلک بھا وجھہ وجلدہ۔"

(بخاری شریف، جلد ۱، ص ۳۷۹)

"خدا کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بینی مبارک کی کوئی ریزش نہیں پھینکی لیکن وہ کسی صحابی کی ہتھیلی پر پڑی جس کو اس نے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیا"۔

آپ نے دیکھا؟ صحابہ کرام کس رغبت اور شوق کے ساتھ حضور کی ریزش بینی کو اپنے بدن اور چہروں پر ملتے تھے۔ کیا اس کے بعد بھی حضور کے بلغم شریف یا ریزش بینی میں کسی مادی کثافت و غلاظت کا تصور ہو سکتا ہے؟

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھوک مبارک بھی مادی کثافت و غلاظت سے پاک تھا۔ بخاری شریف میں ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی اور حضور علیہ السلام ان کے گھر میں تشریف لائے:

"فاخرجت لہ عجینا فبسق فیہ بارک ثم عمد الی برمتنا فبسق فیہ بارک"

(بخاری شریف، جلد ۲، ص ۵۸۹)

"تو حضرت جابر کی بیوی نے گندھا ہوا آٹا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں تھوک دیا اور ساتھ ہی دعائے برکت بھی عطا فرمائی۔ حضرت جابر فرماتے ہیں حضور علیہ السلام نے ہماری ہانڈی کی طرف قصد فرمایا اور اس میں بھی تھوک دیا اور برکت فرمائی"۔

کیوں عامر صاحب! کیسا مزاج ہے؟ کچھ پتہ چلا آپ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ناک مبارک کی ریزش اطہر کا اور سینۂ اقدس کا جما ہوا بلغم مبارک اور تھوک مقدس کیسا لطیف و نظیف اور طیب و طاہر ہے۔ اور صحابہ کرام اسے کس طرح اپنے چہرے اور بدن پر ملتے تھے اور اپنے آٹے اور ہانڈی میں تھوک مبارک کو مرغوب و محبوب جان کر کمال رغبت و محبت کے ساتھ اسے کھاتے تھے۔ اگر عامر صاحب واقعی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے جیسا بشر سمجھتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے فضلاتِ شریفہ کو معاذ اللہ اپنے فضلات جیسا مانتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ بھی اپنا تھوک بلغم ناک کی ریزش کسی کے بدن پر ڈالیں، کسی کے منہ پر ملیں، روٹی ہانڈی میں کبھی اپنا تھوک ڈال دیا کریں اور نہ سہی اپنے ہی گھر میں تجربہ کرلیں ہانڈی میں ذرا سا تھوک کر دیکھیں۔ اگر ان کے سرِ اقدس پر ہانڈی نہ ماردی جائے تو میں ذمے دار ہوں۔ اچھا اگر وہ خود اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتے تو اپنے بزرگوں، استادوں اور پیروں مقتداؤں کا تھوک رغبت و محبت کے ساتھ کھالیا کریں، کبھی کسی بزرگ کی ناک کی ریزش بلغم، کھنگار اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے منہ پر مل لیا کریں۔ لیکن مجھے اُمید نہیں کہ وہ بڑے سے بڑے مقدس انسانوں کا تھوک کھانا یا اس کی کھنگار وغیرہ کو اپنے منہ پر ملنا گوارہ فرمائیں۔ سب جانتے ہیں کہ جو شخص جنتی ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا مقدس اور مطہر ہوتا ہے۔ عامر صاحب کے نزدیک کتنا مقدس اور بزرگ ہوگا، لیکن میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر یزید بھی عامر صاحب کے منہ پر تھوک دے یا اپنی ناک سنک کر عامر صاحب کے منہ پر رینٹھ چھینک مارے تو عامر صاحب اسے رغبت کے ساتھ کھانے یا منہ پر ملنے کی بجائے انتہائی نفرت و حقارت کے ساتھ اپنے بدن سے دُور کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا فضلاتِ شریفہ کا کمالِ رغبت و مسرت سے پی لینا اور اس کے مزے میں شیرینی، لطافت اور خوشبو محسوس کرنا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضلاتِ مبارکہ بشری کثافتوں اور ہر قسم کی نجاستوں اور غلاظتوں سے قطعاً پاک اور طیب و طاہر تھے۔

عامر صاحب کا بار بار یہ کہنا کہ قرآن کریم میں "قل انما انا بشر مثلکم" وارد ہوا ہے مگر یہ لوگ حضور کی بشریت کے منکر ہیں اور ہم حضور کو نورِ محض مانتے ہیں قطعاً غلط

ہم پر بہتان وافترا ہے۔ہم نے بارہا کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خلقت نور سے ہے لیکن یہ
رانیت بشریت کے منافی نہیں۔علامہ شہاب الدین خفاجی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت مطہرہ
بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"و کونه مخلوقا من النور ولا ینافیه کما توهم"

(نسیم الریاض، جلد ۲، ص ۲۳۸)

"اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نور سے مخلوق ہونا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت کے منافی نہیں جیسا کہ وہم کیا گیا۔"

البتہ اس میں شک نہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا بشر مانتے ہیں جس میں بشریت
کے عیوب ونقائص نہ ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے
رائے آفرینش میں "محمد" پیدا کیا ہے جس کے معنی ہیں "حمد کیا ہوا" حمد کے معنی
ں "تعریف وثنا" ظاہر ہے کہ تعریف وثنا حمد وخوبی پر ہی ہوسکتی ہے، عیب سے اس کا کوئی
لق نہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چونکہ اپنے مرتبہ اور مقام میں مطلقاً محمد ہیں اس لیے ذاتِ مقدسہ
ں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاسکتی جو حضور کے حق میں کسی اعتبار سے بھی عیب قرار پائے۔
راواضح ہوگیا کہ نجاست وغلاظت، کثافت وثقالت ہر عیب سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پاک ہیں اور
پ کی بے عیب بشریت محمدیت کی دلیل ہے۔رہا یہ امر کہ لفظ "مثلکم" سے ثابت ہوتا
ہے کہ حضور ہماری مثل ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حصرِ اضافی ہے یعنی "بانسبته الی
الوهیته" اس لیے آیت کے معنی یہ ہیں کہ میں عدم الوہیت میں تمہاری مثل ہوں۔یہ
طلب نہیں کہ معاذ اللہ بشری کثافتوں اور مادی غلاظتوں میں بھی تمہارے جیسا ہوں۔معاذ
اللہ ثم معاذ اللہ

حاصل کلام یہ ہے کہ ہم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کا نور سے مخلوق ہونا اور
حضور کی بشریت مقدسہ وجسمانیت مطہرہ کا ہر قسم کی مادی کثافت، بدبو، نجاست اور غلاظت
وغیرہ سے پاک ہونا ایسے دلائلِ کثیرہ وبراہین قویہ سے ثابت کردیا جن کا جواب ان شاء اللہ
عزیز قیامت تک عامر صاحب کیا؟ ان کی ذریت سے بھی نہ ہوسکے گا۔

کیوں عامر صاحب؟ آپ نے اپنے دلائلِ بول و براز، منی، تھوک وغیرہ کا حشر دیکھ لیا؟ اَب تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات شریفہ مادی کثافتیں نہیں بلکہ نورانی لطافتیں ہیں۔

عامر صاحب تو پہلے ہی اعلان کر چکے ہیں کہ ہم کاظمی کی ایک ایک دلیل کا جواب دیں گے لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان شاء اللہ العزیز آپ کا بھی کوئی جواب ایسا نہ ہوگا جسے جواب الجواب کے بعد کوئی شخص جواب کہہ سکے۔ ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے ناظرین کرام ہماری طول نگاری سے ملول نہ ہوں گے اس لیے کہ یہاں جس قدر طول ہوگا فضائل و کمالاتِ رسالت سامنے آتے جائیں گے۔

عامر صاحب لکھتے ہیں:

''حیرت ہے کہ نور کا یہی ایک لازمہ انہیں یاد رہ گیا کہ اس کا سایہ نہیں ہوتا۔ باقی تمام لوازمات ذہن کے کسی خفیہ گوشے میں جا چھپے...... یہ لوازمات بھی تو پیش نظر رہنے چاہئیں تھے کہ نور حقیقی پاخانہ پیشاب نہیں کرتا، کھانا نہیں کھاتا، شادی کرنے اور باپ بننے سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا، نہ وہ حیز (اپنے محل وقوع کو) بھرتا ہے''۔ الخ

(ماہنامہ تجلی، جون ۱۹۶۰ء، ص ۴۷)

ضلالت کی وادیوں میں بھٹکنے کا نتیجہ حیرت کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ عامر صاحب! اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نورِ محض نہیں بلکہ بشریت سے بھی متصف ہیں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت معاذ اللہ ہماری طرح کثیف وغلیظ نہیں، بلکہ انتہائی لطیف اور طیب وطاہر ہے، جس میں بشریت کے کسی عیب کا شائبہ تک متصور نہیں ہوسکتا۔

جب نورانیت اور بشریت دونوں کا وجود ہوا تو ہر ایک، کے لوازمات بھی موجود ہوں گے۔ کھانا پینا اور باپ بننا بشریت کے لوازمات سے قرار پائے گا، اور سایہ نہ ہونا نورانیت کے لوازمات سے ہوگا۔

شاید آپ کہیں کہ سایہ بھی لوازماتِ بشریت سے ہے، تو میں عرض کروں گا کہ بے

شک سایہ لوازماتِ بشریت سے ہے، لیکن اس بشریت کے لوازمات سے جو نورانیت سے بے بہرہ اور بشریتِ محضہ ہو، جس میں کثافت اور غلاظت وغیرہ نقائصِ بشریت پائے جاتے ہیں۔ نورانی بشریت اور لطیف و پاکیزہ بشریت کے لوازمات سے سایہ نہیں ہے۔

رہا کھانا پینا اور باپ بننا تو ان صفات کو بایں معنی لوازمات بشریت سے کہا جاتا ہے کہ بشریت میں ان کا پایا جانا امر واقعی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ جس میں بھی یہ صفات پائے جائیں وہ بشر ہے۔ دیکھیے بیضاوی شریف میں ہے:

"ولان ابن عباس روی ان من الملائکۃ ضرباً یتوالدون یقال لھم الجن ومنھم ابلیس"۔ انتھی

(بیضاوی، جلد ۱، ص ۶۴)

"(ابلیس ملائکہ سے تھا) اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ملائکہ کی ایک قسم وہ ہے جس میں توالد و تناسل پایا جاتا ہے (وہ اپنے باپ کے بیٹے ہوتے ہیں اور اپنے بیٹوں کے باپ بنتے ہیں) جنہیں جن کہا جاتا ہے، اور انہیں میں سے ابلیس ہے"۔

اسی مقام پر بیضاوی شریف کے حاشیہ میں ہے:

"قوله ولمن زعم انه لم یکن من الملائکة۔ الخ قاله الحسن وقتادة واشار بلفظ الزعم الی ضعفه ورجحان الاول (انهٗ من الملائکة) لانه قول علی وابن عباس وعلیه اکثر المفسرین"۔ انتھی

(حاشیہ نمبر ۳ بیضاوی، ص ۶۴، مطبوعہ مجتبائی دہلی)

"(قوله ولمن زعم الخ) حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول یہ ہے کہ ابلیس ملائکہ سے نہ تھا مصنف نے لفظ "زعم" سے اس قول کے ضعف کی طرف اشارہ کیا اور ساتھ ہی قول اوّل کے راجح ہونے کی طرف بھی اسی لفظ زعم سے اشارہ فرمایا۔ قول اوّل یہ ہے کہ ابلیس ملائکہ سے تھا۔ اس قول کے

راجح اور قوی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے اور اکثر مفسرین بھی اسی پر متفق ہیں''۔ انتہی

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں نور و نار کے اختلاف کا سہارا لینا درست نہ ہوگا۔ اس لیے کہ نور و نار کا مادہ ایک ہے، اوصاف زائدہ علی الذات کے اختلاف سے ذاتیات کا مختلف ہونا لازم نہیں آتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس روایت سے جہاں بعض فرشتوں کا توالد و تناسل ثابت ہوا وہاں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ فرشتوں کے لیے کھانا پینا بھی محال نہیں، بلکہ بعض ملائکہ کے لیے واقع ہوا ہے، جیسا کہ احادیث کثیرہ میں وارد ہے کہ جنات کھاتے ہیں اور بعض اشیا خاص طور پر اُن کی غذا ہیں، کھانے پینے کے لیے پیشاب پاخانہ بھی لوازمات سے شمار کیا جاتا ہے۔ اس لیے جب کھانا پینا ان کے لیے ثابت ہو گیا تو پیشاب پاخانہ بھی منکرین کے اصول پر لازماً اُن کے لیے ماننا پڑے گا۔

عامر صاحب! آپ نے دیکھا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جنات کو ملائکہ کی ایک قسم قرار دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ بعض اوصافِ زائدہ علی الذات مثلاً حرارت و برودت کے اختلاف سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو جن و ملائکہ دونوں کا مادّہ ایک ہی ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ کھانا، پیشاب، پاخانہ، باپ اور بیٹا بننا بشریت میں منحصر نہیں اور نہ یہ اوصاف نورانیت کے خلاف ہیں، ان اوصاف کو سامنے رکھ کر اب کس منہ سے نورانیت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کا انکار کر سکتے ہیں۔

بیضاوی شریف کی روایت منقولہ بالا سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ جنات ملائکہ کی ایک قسم ہے۔ نور و نار دونوں مصدر ہیں جن کا مادّہ ایک ہے یعنی نور، فرق صرف اتنا ہے کہ نور کے مقابلے میں جسے نار کہا جاتا ہے وہ نور کے ساتھ متحد الماهیته ہونے کے باوجود کسی ایسی صفت میں مختلف ہے جس کا ذات اور ماہیت میں کوئی دخل نہیں۔

معلوم ہوا کہ جن و ملائکہ ایک ہی نوع کی دو قسمیں ہیں جن میں بشریت کا قطعاً کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا، لیکن اس کے باوجود ملائکہ کی ایک قسم ''جنات'' میں وہ تمام اوصاف پائے

جاتے ہیں جنہیں اوصاف اور لوازماتِ بشریت کہہ کر اُن کے موصوف کو بشر محض کہا جاتا ہے، اگر فی الواقع اس بات کو صحیح مان لیا جائے تو وہ تمام جنات جنہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ملائکہ کی ایک قسم قرار دیا ہے بشر قرار پائیں گے، جو بالکل غلط اور ظاہر البطلان ہے۔

اس مضمون میں اگر اس بات پر بھی غور کر لیا جائے کہ فرشتوں کی ایک قسم جنات ہے جو کھاتے پیتے اور پیشاب و پاخانہ پھرتے ہیں اور اُن کی شادیاں بھی ہوتی ہیں، اور ازدواجی تعلقات سے ان کی نسل بڑھنے اور اولاد پیدا ہونے کا سبب بنتے ہیں، اور اسی ضمن میں ان کا جوہرِ حیات جسے نطفہ اور منی سے تعبیر کرنا چاہیے ان کے اجسام سے خارج ہوتا ہے جو توالد وتناسل کی اصل ہے، تو یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو کر سامنے آجائے گی کہ منکرین نورانیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ تمام ہفوات پادر ہوا ہیں جو عامۃ المسلمین کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسانے کے لیے بیان کیے جاتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر محض نہ ہوتے تو وہ کھانا کیوں کھاتے اور اپنے والدین کے گھر کیسے پیدا ہوتے، اور ان کی اولاد کیوں کر ہو سکتی تھی اور معاذ اللہ ان کے ساتھ پیشاب، پاخانہ، منی اور تھوک وغیرہ کیوں کر متعلق ہو سکتے تھے۔ ان تمام اوصاف اور اُمور کا پایا جانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت اور معاذ اللہ عنصری کثافت کا بین ثبوت ہے۔ ایسے لوگ مجھے بتائیں کہ جنات کے یہ تمام اوصاف اور امور کا پایا جانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت اور معاذ اللہ عنصری کثافت کا بین ثبوت ہے؟ ایسے لوگ مجھے بتائیں کہ جنات کے یہ تمام اوصاف بھی بشریت اور عنصری کثافت کی دلیل ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو آپ امور مذکورہ و اوصاف مرقومہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت محضہ کے ثبوت میں پیش کرنے کی کس طرح جرأت کرتے ہیں؟ کیا یہ طرزِ عمل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بین عداوت کا ثبوت نہیں؟ فالی اللہ المشتکی

عامر صاحب کی علمی استعداد اور قرآن دانی کا بہترین نمونہ

عامر صاحب کی عبارت کا اقتباس جو ہم نے ابھی ہدیۂ ناظرین کیا ہے اس میں

ہمارے ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمالیا ہوگا کہ نور کا ایک لازمہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے حیز (محل وقوع) کو نہیں بھرتا۔

حیز کا ترجمہ "محل وقوع" عامر صاحب کی علمی استعداد کا شاندار نمونہ ہے۔ انہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ حیز متکلمین کی اصطلاح میں وہ فراغ متوہم ہے جس کو کوئی شئے ممتد وغیر ممتد بھر لے۔ (شرح عقاید نسفی)

نیز عامر صاحب نے نور کا یہ لازمہ بیان کر کے اپنے مبلغ علم کا ایک عجیب نمونہ پیش فرمایا ہے، انہیں اتنا بھی پتہ نہیں کہ تمام ملائکہ اجسام نوریہ ہیں، اور ہر جسم خواہ نوری ہو یا غیر نوری محل وقوع کو پُر کیے بغیر نہیں پایا جاتا، کیوں کہ ہر جسم مکان کا محتاج ہوتا ہے، اور مکان حیز سے اخص ہے، اور اخص کا وجود اعم کے بغیر ممکن نہیں، لہٰذا ہر جسم کے لیے مکان کا ہونا ضروری ہے، اور مکان کا حیز کے بغیر پایا جانا محال ہے۔ بنابریں ہر جسم نوری ہو یا غیر نوری حیز کے بغیر نہیں ہوسکتا اور حیز کے معنی ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ وہ ایسا فراغ متوہم ہے کہ جسے کوئی شئے ممتد یا غیر ممتد بھر لے، عامر صاحب محل وقوع کے نہ بھرنے کو نور کا لازمہ قرار دیتے ہیں، تو وہ بتائیں کہ اجسام نوریہ اُن کے نزدیک مکان میں ہیں یا لامکان میں؟ کیا وہ کہہ سکیں گے کہ نوری جسم مکان کے بغیر لامکان میں پایا جاتا ہے، نہیں اور ہرگز نہیں، پھر یہ کیا بات ہوئی کہ:

"نور کے لوازمات سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے حیز (محل وقوع) کو نہ بھرے" ملخصاً

دیکھیے جبرئیل علیہ السلام نوری ہیں اور وہ جب اپنی اصلی نوری شکل میں ظاہر ہوئے تو انہوں نے اپنے محل وقوع کو بھرلیا۔ ہماری بات تو آپ کیا مانیں گے، اپنے چچا جان مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی کی عبارت پڑھ لیجیے۔ وہ سورۂ النجم کی آیۂ کریمہ وھو بالافق الاعلی پر حاشیہ نمبر ۷ میں ارقام فرماتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتدائے نبوت میں ایک مرتبہ حضرت جبرئیل اپنی صورت میں ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے، اس وقت آسمان ایک کنارہ سے دوسرے کنارے تک اُن کے وجود سے بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا"۔

کیوں عامر صاحب! وہ آپ کا لازمہ کہاں گیا، یا آپ جبرئیل علیہ السلام کو نور حقیقی

نہیں مانتے، جبرئیل علیہ السلام کے وجود سے آسمان کا ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک بھر جانا آپ کے نزدیک جبرئیل علیہ السلام کی بشریت کی دلیل ہے یا نورانیت کی؟ یا چچا جان بڑھاپے میں غلط لکھ گئے؟

حقیقت یہ ہے کہ آپ ہمارے تعاقب میں آنکھیں بند کر کے ایسے بے تحاشا دوڑے ہیں کہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں اور منہ کے بل گرے، مگر آپ کی جرأت قابلِ داد ہے کہ حق وصداقت کے خلاف اپنی جدوجہد اور تعاقب سے باز نہیں آئے۔ ع

''آفریں باد بریں ہمت مردانۂ تو''

عامر صاحب نے نور کے لوازمات بیان کرتے ہوئے ارقام فرمایا ہے کہ:

''یہ لوازمات بھی تو پیش نظر رہنے چاہیے تھے کہ نور حقیقی پیشاب پاخانہ نہیں کرتا، کھانا نہیں کھاتا، شادی کرنے اور باپ بننے سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا''۔

نور کے اکثر افراد کا کھانے پینے، پیشاب پاخانہ کرنے اور توالد وتناسل سے بے تعلق ہونا تو مسلمات سے ہے، لیکن نور کی حقیقت اور اس کی جنس کے لیے مطلقاً ان امور کو لوازمات قرار دینا دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں غلط اور باطل محض ہے۔ بیان سابق میں ہم اس حقیقت کو واضح کر چکے ہیں کہ ملائکہ نورِ حقیقی ہیں اور ملائکہ کی ایک قسم میں توالد وتناسل موجود ہے۔ وہ کھاتے پیتے بھی ہیں اور کھانا پینا پیشاب پاخانہ کو مستلزم ہے۔ عامر صاحب کو لازم کی تعریف بھی معلوم نہیں، لازم کے معنی ما یمتنع انفکاکہ عن الشئی، اگر یہ اُمور لوازمِ نور سے ہوتے تو ان کا انفکاک اس سے محال ہوتا، لیکن ایسا نہیں، تو معلوم ہوا کہ اُمورِ مذکورہ کو لوازماتِ نور کہنا لغو اور بے بنیاد ہے۔

تفسیر بیضاوی سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت جو اس سے پہلے ہم نقل کر چکے ہیں، ہمارے بیان کی تائید میں کافی ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہیں:

'' ان من الملائکۃ ضرباتیوالدون یقال لھم الجن و منھم ابلیس''

''فرشتوں کی ایک قسم وہ ہے جن میں توالد وتناسل ہوتا ہے، یعنی ان کی

نسل چلتی ہے اور ان کے اولاد ہوتی ہے، انہیں جن کہا جاتا ہے اور ان ہی میں سے ابلیس ہے۔"

لیکن تفصیل مزید کے لیے ہم اس مسئلے میں حضراتِ مفسرین کرام کی تصریحات پیش کرتے ہیں، تا کہ ہر قسم کے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جائے اور مسئلہ کا کوئی پہلو تشنۂ تکمیل نہ رہے۔

بیانِ سابق میں ہم کہہ چکے ہیں کہ بعض مفسرین جیسے حضرت حسن بصری وغیرہ رضی اللہ عنہم کا یہ مسلک ہے کہ ابلیس ملائکہ سے نہ تھا لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ جمہور مفسرین حضرات صحابہ کرام وتابعین کا یہی مذہب ہے کہ ابلیس ملائکہ سے تھا۔

(۱) تفسیر روح المعانی میں ہے:

"واختلف الناس فیه هل هو من الملائكة ام من الجن فذهب الى الثانی جماعة"

"اس مسئلے میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ ابلیس ملائکہ سے ہے یا جن سے ایک جماعت شق ثانی کی طرف گئی ہے"۔

چند سطر بعد فرماتے ہیں:

"وذهب جمهور العلماء من الصحابة والتابعين الى الاوّل"۔ انتہی

(تفسیر روح المعانی، پ ۱ ص ۲۱۰)

"جمہور علما، صحابہ وتابعین کا مذہب یہ ہے کہ ابلیس ملائکہ سے تھا"۔

(۲) تفسیر روح البیان میں ہے:

"واکثر المفسرین علی ان ابلیس من الملائكة لان خطاب السجود کان مع الملائكة قال البغوی وهو الاصح"۔ انتہی

(تفسیر روح البیان، جلد ۱، ص ۱۰۴)

"اکثر مفسرین اسی پر ہیں کہ ابلیس ملائکہ سے تھا اس لیے کہ سجدہ کا خطاب ملائکہ سے تھا، امام بغوی نے فرمایا یہی اصح ہے"۔

(۳) تفسیر بیضاوی میں ہے:

"والایة تدل علی ان اٰدم علیه السلام افضل من الملائکة المامورین بالسجود له ولو من وجه وان ابلیس کان من الملائکة والالم تینا وله امر هم ولم یصح استثناءه منهم"۔

(بیضاوی شریف، جلد ا، مطبوعہ فاروقی، دہلی، ص ۶۴)

"اور آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آدم علیہ السلام ان ملائکہ سے افضل ہیں جو آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے پر مامور تھے۔ اگرچہ یہ فضیلت من وجہ ہو اور آیہ کریمہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ابلیس ملائکہ سے تھا، ورنہ فرشتوں کا امر اسے شامل نہ ہوتا نہ اس کا استثنا فرشتوں سے صحیح ہوتا۔"

(۴) تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"(المسئلة الثالثة) اختلفوا فی ان ابلیس هل کان من الملائکة قال بعض المتکلمین ولا سیما المعتزلة انه لم یکن منهم وقال کثیر من الفقهاء انه کان منهم"۔

(تفسیر کبیر، جلد اوّل، ص ۴۲۷)

"(تیسرا مسئلہ) لوگوں نے اختلاف کیا کہ ابلیس ملائکہ سے تھا یا نہیں، چنانچہ بعض متکلمین خصوصاً معتزلہ اس طرف گئے ہیں کہ وہ ان میں سے نہ تھا، اور اکثر فقہا نے کہا کہ بے شک وہ اُن ہی میں سے تھا"۔

اس کے بعد امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے علی الترتیب جانبین کے دلائل نقل فرمائے اور آخر میں ارقام فرمایا:

"فهذا ما عندی فی الجانبین واللہ اعلم بحقائق الامور"۔ انتہی

(تفسیر کبیر، جلد اوّل، ص ۴۳۰)

"جانبین کی طرف سے میرے پاس جو کچھ تھا وہ یہی ہے جو میں نے بیان

کر دیا اور حقائق امور کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے‘‘۔

(۵) علامہ ابن کثیر تفسیر ابن کثیر میں لکھتے ہیں:

’’عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان ابلیس من حی من احیاء الملائکۃ یقال لھم الجن خلقوا من نار السموم من بین الملائکۃ وکان اسمہ الحارث وکان خازنا من خزان الجنۃ قال وخلقت الملائکۃ کلھم من نور غیر ھذا الحی قال وخلقت الجن الذین ذکروا فی القرآن من مارج من نار الحدیث‘‘۔

(تفسیر ابن کثیر، جلد اوّل، ص ۷۵)

’’حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ابلیس ملائکہ کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ تھا، جسے جن کہا جاتا ہے، جو ملائکہ کے درمیان نارِ سموم سے پیدا ہوئے ہیں، ان کا نام حارث تھا، اور جنت کے خازنوں میں سے ایک خازن تھا، فرمایا کہ اس قبیلہ کے علاوہ تمام ملائکہ نور سے مخلوق ہوئے ہیں اور ’’جنات‘‘ جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ نار کے شعلہ سے پیدا ہوئے ہیں‘‘۔

اس مقام پر یہ شبہہ کرنا صحیح نہ ہوگا کہ عبارتِ منقولہ بالا سے فرشتوں کا اپنی ماہیت میں جنات سے مبائن ہونا ثابت ہوتا ہے، کیونکہ فرشتے نور سے مخلوق ہیں اور جنات نار سے، اس لیے کہ عبارتِ منقولہ میں صاف موجود ہے کہ ابلیس فرشتوں کے قبیلے سے تھا، اور ظاہر ہے کہ کسی قوم کا ایک قبیلہ دوسرے قبائل سے جنسیت اور ماہیت میں مختلف اور مبائن نہیں ہوا کرتا۔ رہا یہ امر کہ فرشتے نور سے پیدا ہوئے اور جنات نار سے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ نور و نار دونوں میں صرف عوارض کی وجہ سے تفاوت ہے، ورنہ ماہیت دونوں کی متحد ہے، جیسا کہ عن قریب دلائل سے ثابت کیا جائے گا۔

آگے چل کر علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

’’لما فرغ اللہ من خلق ما احب استوی علی العرش فجعل

ابلیس علی ملك السماء الدنیا وکان من قبیلة من الملائکة یقال لهم الجن"۔الخ

(تفسیر ابن کثیر، جلد اوّل، ص ۷۶)

"اللہ تعالیٰ کو جو کچھ پیدا کرنا تھا، جب وہ پیدا کر دیا تو پھر وہ عرش میں مستوی ہوا، اور ابلیس کو آسمانِ دنیا کے ملک پر مقرر کر دیا، اور وہ فرشتوں کے ایک قبیلہ سے تھا، جسے جن کہا جاتا ہے"۔

(۶) تفسیر "سراج منیر" میں خطیب شربینی نے ارقام فرمایا ہے:

"وخلق الملائکة والجن فاسکن الملائکة السماء واسکن الجن فی الارض فمکثوا فیها دهرا طویلا ثم ظهر فیهم الحسد والبغی فافسدوا فیها فبعث الله تعالیٰ الیهم جندا من الملائکة یقال له الجن وهم خزان الجنان اشتق لهم اسم من الجنة راسهم ابلیس فکان رئیسهم ومن اشدهم واکثرهم علماء"۔ انتهی

(تفسیر سراج منیر، جلد اوّل، ص ۴۱)

"اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو آسمان میں اور جن کو زمین میں ٹھہرایا تو وہ ایک طویل زمانہ تک زمین میں ٹھہرے رہے۔ پھر ان میں حسد اور بغاوت کا ظہور ہوا، تو انہوں نے زمین میں فساد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف فرشتوں کا ایک لشکر بھیجا جسے جن کہا جاتا تھا اور وہ سب لشکری جنت کے خازن تھے، ان کا نام بھی لفظِ جنت سے مشتق تھا، ان کا بڑا ابلیس تھا جو اُن کا سردار تھا، اور سب سے زیادہ قوت والا اور سب سے زیادہ علم والا تھا"۔

اس کے بعد خطیب شربینی اسی تفسیر سراج منیر کے صفحہ ۴۵ پر فرماتے ہیں:

"فان قیل له ذریة والملائکة لا ذریة لهم اجیب بان ابن عباس رضی الله عنهما روی ان من الملائکة نوعا یتو

الدون يقال لهم الجن ومنهم ابليس"۔

(تفسیر سراج منیر، جلد اوّل، ص ۴۵)

"اگر اعتراض کیا جائے کہ شیطان کی اولاد ہے، حالانکہ ملائکہ کی اولاد نہیں ہوتی تو جواب دیا جائے گا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ملائکہ میں ایسی نوع بھی ہے جس کی اولاد ہوتی ہے، انہیں جن کہا جاتا ہے اور ان ہی میں سے ابلیس ہے"۔

(۷) تفسیر ابن جریر میں علامہ ابن جریر فرماتے ہیں:

"عن قتادة قوله الا ابليس كان من الجن قال كان من قبيل الملائكة يقال لهم الجن"۔

(تفسیر ابن جریر، جلد اوّل، ص ۱۷۳)

"حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے قول الا ابلیس کان من الجن کی تفسیر میں مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ابلیس ملائکہ کے قبیل سے تھا، جنہیں جن کہا جاتا ہے"۔

(۸) تفسیر معالم التنزیل میں امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"واختلفوا فيه فقال ابن عباس واكثر المفسرين كان ابليس من الملائكة"۔ انتہی

(تفسیر معالم التنزیل، جلد اوّل، ص ۴۱)

"ابلیس کے بارے میں اختلاف ہے اکثر مفسرین اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ابلیس ملائکہ میں سے تھا"۔

(۹) تفسیر خازن میں ہے:

"قال ابن عباس رضی الله عنهما كان ابليس من الملائكة بدليل انه استثناء منهم"۔ انتہی

(تفسیر خازن،)

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ابلیس ملائکہ سے تھا، جس کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الا ابلیس فرما کر اسے ملائکہ سے مستثنیٰ فرمایا (اور استثنیٰ میں اصل متصل ہے)"۔

(۱۰) تفسیر مدارک میں امام نسفی مقتدائے احناف فرماتے ہیں:

"(فسجدوا الا ابلیس) الا استثناء متصل لانه كان من الملائكة كذا قاله على وابن عباس وابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنهم ولان الاصل ان يكون الا استثناء من جنس المستثنىٰ منه"۔ الخ

"اللہ تعالیٰ کے قول الا ابلیس میں استثناء متصل ہے اس لیے کہ ابلیس ملائکہ سے تھا۔ یہی قول حضرت علی مرتضیٰ، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کا ہے اور اس لیے بھی کہ استثناء میں اصل یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو"۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:

"وعن الجاحظ ان الجن والملائكة جنس واحد فمن طهر منهم فهو ملك ومن خبث فهو شيطان ومن كان بين بين فهو جن"۔

"جاحظ سے مروی ہے کہ جن اور فرشتے جنس واحد ہیں ان میں جو پاک رہا وہ فرشتہ ہے، اور جو خبیث ہوگیا وہ شیطان ہے۔ اور جو بین بین رہا یعنی پاکیزگی اور خباثت کے درمیان رہا، وہ جن ہے"۔

(تفسیر مدارک، جلد اوّل، ص ۳۴)

ان تمام عباراتِ ائمہ تفسیر سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ جمہور علما، صحابہ مثلاً حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین و اکثر مفسرین کا قول یہی ہے کہ ابلیس ملائکہ سے تھا، اور جن و فرشتہ جنسِ واحد سے ہیں۔ فرشتوں اور جنات کا مادہ اور ان کی حقیقت ایک ہے، ان میں جو پاک رہا فرشتہ کہلایا اور جو

خبیث ہوگیا وہ شیطان بنا، اور جو خباثت و پاکیزگی کے درمیان رہا وہ ''جن'' قرار پایا۔ شیطان، جن اور فرشتے تینوں کی حقیقت و ماہیت میں کچھ فرق نہیں ہے، صرف عارضی صفات کا فرق ہے اور بس۔ نیز یہ فرق بھی عباراتِ منقولہ بالا سے ثابت ہوگیا کہ ملائکہ کی ایک قسم ایسی ہے جس میں توالد وتناسل پایا جاتا ہے، اور وہ کھاتے پیتے ہیں، اور کھانے پینے کی وجہ سے پیشاب اور پاخانہ پھرتے ہیں، اور اگر جمہور علما صحابہ وتابعین و اکثر مفسرین کے خلاف بھی مان لیا جائے کہ جنات ملائکہ کی قسم نہیں تب بھی ہمارا مدعا ثابت ہے، اس لیے کہ نور و نار متحد المادہ اور ایک جنس سے ہوتے ہیں، اور جنات کا توالد وتناسل اور کھانا پینا بھی حقیقتِ ثابتہ ہے۔ لہٰذا نور کے مادہ اور اس کی جنس کے بعض افراد سے توالد وتناسل اور کھانے پینے کا منفی ہونا ثابت نہ ہوا، ایسی صورت میں ان تمام امور کے ہونے کو علی الاطلاق بشریت کے لیے ضروری اور نہ ہونے کو نورانیت کے لیے لازمی قرار دینا جہالت وضلالت قرار پایا۔

اس کے بعد اس شبہ کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ فرشتے نور سے مخلوق ہیں اور جنات نار سے۔ نیز یہ کہ نور کا مقتضیٰ عصمت ہے اور نار کا تقاضا معصیت۔ اگر جنات کو بھی ملائکہ قرار دے دیا جائے تو ملائکہ کی عصمت باطل ہوگی، کیونکہ جنات میں فسوق وعصیاں پایا جاتا ہے اور ملائکہ کا معصوم ہونا قرآن پاک کی متعدد آیتوں سے ثابت ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علمِ صرف اور لغت کی رُو سے نور و نار متحد المادہ ہیں۔ چنانچہ نور بنور نوراً و نار اً اس پر دلیلِ روشن ہے۔ نور و نار دونوں ایک ہی باب کے مصدر ہیں اور دونوں کا مادہ اور ماہیت ایک ہے، فرق صرف عوارض سے ہے، ذاتیات کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، اور ملائکہ یقیناً معصوم ہیں، مگر سب نہیں، بلکہ اکثر و بیشتر، اور ان میں بعض افراد غیر معصوم بھی ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں ملائکہ کی عصمت کا بیان ہے وہاں ان کے ایک خاص گروہ کا ذکر ہے، جمیع افرادِ ملائکہ کی عصمت پر کوئی دلیل قائم نہیں، بلکہ بعض کی عدمِ عصمت ثابت ہے۔ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ بیضاوی شریف میں فرماتے ہیں:

'' وان من الملائكة من ليس بمعصوم وانكان الغالب منهم العصمة كما ان من الانس معصومين والغالب

فیھم عدم العصمة"۔ انتہی

"اور آیت کریمہ "فسجدوا الا ابلیس" اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ملائکہ کے بعض افراد معصوم نہیں ہیں، اگر چہ ان کا وصف غالب عصمت ہے، جیسا کہ بعض انسان (حضرات انبیاے کرام) یعنی جس طرح انسانوں میں بعض معصوم ہیں اور اکثر غیر معصوم، اسی طرح اس کے برعکس فرشتوں میں بھی بعض غیر معصوم اور اکثر معصوم"۔

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے میں نفیس بحث کرتے ہوئے آگے چل کر فرماتے ہیں:

"لا یقال کیف یصح ذلك والملائكة خلقت من نور والجن من نار لما روت عائشه رضی اللہ تعالیٰ عنها انه علیه السلام قال خلقت الملائكة من النور وخلق الجن من مارج من نار لانه کا تمثیل (۱۔ حاشیه) لما ذکرنا فان المراد بالنور الجوهر المضئ والنار كذلك غير ان ضوٴها مكدر مغمور بالدخان محذور عنه بسبب ها يصحبه من فرط الحرارة والاحراق فاذا صارت مهذبة مصفاة كانت محض نور"۔ الخ

(بیضاوی شریف، جلد اوّل، ص ۶۴)

"اعتراض نہ کیا جائے کہ جنات کا از قبیل ملائکہ ہونا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ حالانکہ ملائکہ نور سے پیدا ہوئے ہیں اور جنات آگ کے شعلہ سے۔ اس لیے کہ ہم جواب دیں گے کہ ملائکہ کے لیے لفظِ نور اور جنات کے لیے لفظِ نار اس چیز کی تمثیل کے طور پر مستعمل ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں (کہ ملائکہ نیک اور پاکیزہ ہیں اور جنات فاسق اور گنہگار) یعنی ملائکہ کے لیے نور و نار کا لفظ ان کی استعدادِ خیر و شر کی تمثیل کے لیے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ نور سے مراد جوہر مضئ (روشن جوہر) ہے اور نار کے معنی بھی یہی ہیں۔ فرق

صرف اتنا ہے کہ نار کی روشنی مکدر اور دھوئیں سے مخلوط ہوتی ہے اور اس سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں شدید حرارت اور احراق (جلانا) پایا جاتا ہے، جب وہ صاف اور ستھری ہو جائے تو وہی نار نورِ محض ہو جاتی ہے"۔

(ا۔حاشیہ)

(قوله لانه كالتمثيل۔الخ) اى تمثيل لحقيقتها ببيان مادتها ما قال بعض القاصرين من انه سلوك بطريق المعتزلة من حمل النصوص على غير ظاهر ها حتى انكر واسوال نكير ومنكر وعذاب القبر والميزان والصراط وغيرها مع ان حمل ماذكر فى خلق الملائكة والجن على التمثيل يقتضى حمل خلق آدم من تراب عليه ايضاً وهو خلاف ظاهر الاية والحديث ففيه انما يدوان لو كان مقصود المصنف رحمة الله تعالىٰ ان الحديث محمول على هذا المعنى بل مقصوده ان ببيان مادتهما رمزا الى ماذكر فهو بيان لبطن الحديث مع حفظ ظاهره وهو طريقة العلماء العارفين بالله فمعنى قوله خلقت الملائكة من النور انها خلقت من جوهر مضئ غاية الاضاءة سواء كان بذاته كذالك او حاصلاً من النار بعد التصفية وتمثيل لكون الملائكة محض خير مبرأة عن ظلمة الشر اما بذاته او بغيره ومعنى قوله خلقت الجن من مارج من نار اى من جوهر مضئ مختلط بالدخان يحتمل غلبة كل واحد منهما فهو تمثيل لاستعداده بالذات للخير والشر"۔

(حاشیہ ۷ بیضاوی، جلد اوّل، ص ۶۴)

"یہاں تمثیل سے مراد یہ ہے کہ ان کا مادّہ (نور و نار) بیان کر کے ان کی حقیقت کی مثال بیان کر دی یعنی نور استعدادِ خیر کی مثال ہے اور نار استعدادِ شر کی۔ اس مقام پر بعض کوتاہ فہم لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ اسے تمثیل قرار دینا معتزلہ کے راستے پر چلنا ہے کہ انہوں نے نصوص کو ان کے غیر ظاہر معنی پر حمل کر دیا، یہاں تک کہ نکیرین کے سوال، عذابِ قبر، میزان

اور پل صراط وغیرہ کا بھی انکار کر بیٹھے۔ اس کے ساتھ یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے کہ ملائکہ اور جن کی پیدائش کے ذکر میں نور و نار کو تمثیل پر حمل کرنا اس بات کا مقتضی ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بیان میں جو من تراب کا لفظ آیا ہے، اسے بھی تمثیل پر حمل کر دیا جائے۔ حالانکہ یہ ظاہر آیت اور حدیث کے قطعاً خلاف ہے تو ان کوتاہ فہموں کی بات قابلِ قبول نہیں۔ اس لیے کہ یہ مفسر (قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ) پر یہ الزام اس وقت صحیح ہوتا ہے جب کہ وہ ملائکہ اور جنات کے نور و نار سے مخلوق ہونے کی حدیث کو محض تمثیلی معنی پر محمول کرتے، مگر مفسر نے ایسا نہیں کیا، بلکہ تمثیل سے ان کا مقصود صرف یہ ہے کہ حدیث شریف میں ملائکہ اور جن کے مادّہ نور و نار کو بیان کر کے اس کی استعدادِ خیر و شر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ معنی ایسے ہیں جن سے بطنِ حدیث کے معنی بھی بیان ہو گئے اور اس کے ظاہری معنی بھی محفوظ رہے اور یہ طریقہ علماء عارفین باللہ کا ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے ظاہری معنی کو برقرار رکھتے ہوئے باطنی معنی بھی بیان کر دیا کرتے ہیں، لہٰذا خلقت الملائکۃ من النور کے یہ معنی ہیں کہ فرشتے ایک ایسے روشن جوہر سے مخلوق ہیں جو بہت زیادہ انتہائی روشنی والا ہے۔ عام اس سے کہ یہ انتہائی روشنی بذاتہ ہو یا صفائی کے بعد نار سے حاصل ہوئی ہو، اور ان کی پیدائش کے بیان میں من النار اس بات کی تمثیل ہے کہ وہ فرشتے بذاتہ یا بغیرہ ظلمت شر سے پاک اور مبرا ہیں۔ اسی طرح خلقت الجن من مارج من النار کے معنی یہ ہیں کہ جنات کی پیدائش ایسے روشن جوہر سے ہوئی جو دھوئیں سے مخلوط ہو اور اس میں جوہر مضئ و دخان میں سے ہر ایک کے غلبہ کا احتمال پایا جائے، لہٰذا وہ اس بات کی تمثیل ہے کہ جن بذاتِ خود خیر و شر دونوں کی استعداد رکھتا ہے"۔ (حاشیہ تمام ہوا)

اسی طرح تفسیر روح المعانی میں صاحبِ روح المعانی فرماتے ہیں:

"وکون الملائکۃ لا یستکبرون وھو قد استکبر لا یضر اما لان الملائکۃ من لیس بمعصوم وان کان الغالب فیھم العصمۃ علی العکس منا وفی عقیدۃ ابی معین ندفی مایوئد ذلک واما لان ابلیس سلبہ اللہ تعالیٰ الصفات الملکیۃ والبسہ ثیاب الصفات

الشیطانیۃ فعصی عند ذلک و الملک مادام ملکا لا یعصی الخ۔‘‘

’’اور فرشتوں کا متکبر نہ ہونا اور ابلیس کا متکبر ہونا اس دعویٰ کے لیے مضر نہیں کہ شیطان ملائکہ سے تھا، اس لیے کہ ملائکہ میں بعض افراد ایسے بھی ہیں جو معصوم نہیں اگر چہ غالب ان میں عصمت ہی ہے۔ ہمارے برعکس اور عقیدۂ ابی معین نسفی سے اس کی تائید ہوتی ہے، یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے صفاتِ ملکیہ کو سلب کر کے اسے صفاتِ شیطانیہ کا لباس پہنا دیا تھا۔ اس لیے اس نے عصیاں کیا، اور فرشتہ جب تک لباس ملکیت میں رہے عصیاں نہیں کرتا‘‘۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

’’ و کونہ مخلوقاً من نار وھم مخلوقون من نور غیر ضار ایضا ولا قاح فی ملکیۃ لان النار والنور متحد المادۃ بالجنس واختلافھما بالعوارض علی ان مافی اثر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا من خلق الملائکۃ من النور جار مجری الغالب والا خالفہ کثیر من ظواھر الأثار اذفیھا ان اللہ تعالیٰ خلق ملائکۃ من نار و ملائکۃ من ثلج و ملائکۃ من ھذا و ھذہ الخ‘‘

(تفسیر روح المعانی، پ ۱، ص ۲۱۱)

’’نیز ابلیس کا نار سے مخلوق ہونا، حالانکہ ملائکہ نور سے مخلوق ہیں ابلیس کی ملکیت میں ضرر و قدح پیدا نہیں کرتا، اس لیے کہ نار و نور جنس میں متحد المادۃ ہیں، ان کا اختلاف محض عوارض سے ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں جو وارد ہوا ہے کہ ملائکہ نور سے مخلوق ہیں، اکثریت کے لحاظ سے ہے ورنہ بہت سے ظواہر آثار اس کے خلاف ہیں۔ کیونکہ روایاتِ کثیرہ میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض فرشتوں کو نار سے پیدا

کیا اور بعض کو برف، اور بعض کو اس چیز سے، اور بعض کو اس چیز سے''۔

اور تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''(الا ابلیس) ھذا یدل علی ان ابلیس کان من الملائکۃ لصحۃ الاستثناء کما مر عن ابن عباس فعلی ھذا لا یکون الملائکۃ کلھم معصومین بل الغالب منھم العصمۃ کما ان بعضا من الانس معصومون والغالب منھم عدم العصمۃ''۔

(تفسیر مظہری، جلد اوّل، ص ۵۶)

''آیۂ کریمہ (فسجدوا الا ابلیس) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ابلیس ملائکہ سے تھا کیونکہ یہاں استثناء (متصل) صحیح ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول گذر چکا ہے۔ اس تقدیر پر کُل ملائکہ معصوم نہیں ہوں گے، بلکہ ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ ان میں غالب عصمت ہے۔ جیسا کہ بعض انسان (حضراتِ انبیاء علیہم السلام) معصوم ہیں، اور اکثر و بیشتر انسان غیر معصوم ہیں''۔

اس کے بعد صاحبِ تفسیر مظہری فرماتے ہیں:

''او یقال النور والنار حقیقۃ واحدۃ والامتیاز بینھما بالتھذیب والصفأ وبدونہ قولہ تعالیٰ وفعلوا بینہ وبین الجنۃ نسبا و ھو قولھم الملائکۃ بنات اللہ دلیل علی اتحاد حقیقتھا واللہ اعلم بحقیقۃ الحال''۔ انتھی

(تفسیر مظہری، پ ۱، ص ۵۶)

''یا یہ کہا جائے کہ نور و نار حقیقتِ واحدہ ہیں اور ان کے درمیان جو امتیاز ہے وہ محض تہذیب و صفا کے ہونے اور نہ ہونے سے ہے۔ یعنی نور صاف ستھرا مہذب و مصفیٰ ہوتا ہے اور نار میں وہ پاکیزگی اور صفائی نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان نسب قائم

کر دیا۔ اور وہ نسب قائم کرنا یہ ہے کہ مشرکین نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اس بات پر روشن دلیل ہے کہ جنات اور ملائکہ کی حقیقت ایک ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال کو خوب جانتا ہے''۔ انتہی

ان تمام عبارات سے وہ تمام شکوک اور شبہات زائل ہو گئے جو ہمارے بیان میں پیدا ہو سکتے تھے۔ دلائل کی روشنی میں جنات کا از قبیل ملائکہ ہونا اور ان میں توالد و تناسل کا پایا جانا ہم ثابت کر چکے ہیں۔ اَب ہم اس بات پر دلیل لاتے ہیں کہ جنات (جو دراصل ملائکہ ہیں) کھانا بھی کھاتے ہیں اور ان کے لیے طعام کا ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے۔ بخاری شریف میں ہے:

"عن ابی هریرة انه کان یحمل مع النبی ﷺ اداوة لوضوئه وحاجة فبنیها هو یتبعهٔ بها فقال من هذا فقال انا ابو هریرة فقال النبی اجمارا استنفض بها ولا تائتنی بعظم ولا بروثة فاتیته باجمار احملها فی طرف ثوبی حتیٰ وضعت الی جنبه ثم انصرفت حتی اذا فرغ مشیت فقلت مابال العظم والروثة قال هما من طعام الجن وانهٗ اتانی وفد جن نصیبین ونعم الجن جسألونی الزد فدعوت الله لهم ان لا یمروا بعظم ولا بروثة الا وجدوا علیها طعاما"۔ انتهی

(بخاری شریف، جلد اوّل، ص ۴۴۵)

"حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضور کی حاجت اور وضو کے لیے پانی کا برتن اُٹھا کر چلا کرتے تھے۔ اس اثنا میں کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چل رہے تھے، حضور علیہ السلام نے فرمایا! یہ کون ہے؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا حضور! میں ابو ہریرہ ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا! میرے لیے ڈھیلے تلاش کرو جن سے میں استنجا کروں اور ہڈی اور لید نہ لانا۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے کپڑے کے کنارے میں

ڈھیلے رکھ کر لایا اور حضور کے قریب رکھ کر واپس چلا گیا۔ جب حضور فارغ ہو گئے تو میں حضور کے ساتھ چلا اور میں نے عرض کیا کہ حضور ہڈی اور لید کا کیا حال ہے کہ حضور نے ان کے لانے سے منع فرمایا۔ فرمایا یہ دونوں چیزیں جنات کا طعام ہیں۔ میرے پاس (شہر) نصیبین کے جنات کا ایک وفد آیا اور وہ جنات بہت اچھے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کھانا مانگا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ وہ کسی ہڈی اور لید پر نہ گذریں مگر اس پر طعام پائیں"۔

ظاہر ہے کہ کھانے کے ساتھ پینا اور کھانے پینے کے لیے پیشاب پاخانہ کرنا لوازمات و مسلمات سے ہے۔ اَب عامر صاحب بتائیں کہ نور کے وہ من گھڑت لوازمات جو انہوں نے بیان کیے ہیں ان کا کیا حال ہے ؟

جو لوگ ملائکہ کی مثال دے کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت پر حملہ آور ہوتے ہیں اور یہ کہا کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اگر نور ہوتے تو فرشتوں کی طرح کھانے پینے، شادی کرنے، توالد و تناسل و دیگر اوصافِ بشریت سے لاتعلق ہوتے۔

بر تقدیرِ تسلیم عرض کروں گا کہ انہیں اس حقیقت پر غور کرنا چاہیے کہ فرشتوں کے لیے یہ سب امور محالِ عقلی نہیں بلکہ محال عادی ہیں، جن کا وقوع بطور خرق عادت ممکن ہے۔ دیکھیے جن فرشتوں کے لیے کھانا پینا اور شادی کرنا محال ہے ان کے لیے باقی اوصاف بشریت سے متصف ہونا بھی محال ہے، لیکن اس کے باوجود ان کا بعض اوصافِ بشریہ سے متصف ہو کر دنیا میں آنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوش خبری لے کر بوصف بشری فرشتے دنیا میں آئے تھے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حضرت عزرائیل (ملک الموت علیہ السلام) جامۂ بشریت میں حاضر ہوئے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ان کو طمانچہ مارا جس کی وجہ سے ان کی ایک آنکھ پھوٹ گئی، جیسا کہ بخاری و مسلم میں وارد ہوا۔ یہ ضروری ہے کہ وہ صدمہ ان کی بشریت پر آیا تھا جس سے ان کی ملکیت متاثر نہیں ہوئی لیکن احوالِ بشریہ کا فرشتوں پر طاری ہونا اور اوصافِ بشریت سے نوری فرشتے کا متصف ہونا بہر حال اس واقعہ سے ثابت ہو گیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کے پاس انسانی لباس میں فرشتے آئے۔ علیٰ ہذا حضرت مریم علیہا السلام کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام لباسِ بشریت میں تشریف فرما ہوئے، اور حضور سیّد عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بصورت حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض اوقات اجنبی صورت میں حاضر ہوئے جیسا کہ صحیحین کی روایت میں وارد ہے۔ اس حدیث میں ''شدید سواد الشعر'' کے الفاظ بھی موجود ہیں جس کے معنی ہیں سخت سیاہ بالوں والے۔ ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ سیاہی کو ظلمت سے اور سپیدی کو نور سے مناسبت ہے۔ جبرئیل علیہ السلام کا لباس نہایت سپید تھا اور بال نہایت کالے تھے۔ بتایئے جبرئیل علیہ السلام نوری ہیں یا نہیں؟ جب وہ نوری ہیں تو نور میں سیاہی کیسی؟ کیا کوئی عقل مند انسان نور کو سیاہ سمجھ سکتا ہے، ہرگز نہیں بلکہ یہی کہنا پڑے گا کہ نور میں سیاہی محال ہے، اور سیاہ بالوں والا ہونا بشری اوصاف میں سے ہے، مگر اس کے باوجود جبرئیل علیہ السلام اس سے متصف ہوئے اور محال عادی واقع ہوا۔

جب یہ اوصافِ بشریہ نورانی مخلوق میں خرقِ عادت کے طور پر پائے جاسکتے ہیں تو کھانا، پینا، توالد و تناسل، باپ بیٹا ہونا کیوں نہیں پایا جاسکتا؟ آپ کہیں گے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جب فرشتے لباس بشری میں آئے تو ابراہیم علیہ السلام ان کے لیے گائے کا ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے، اور کھانے کے لیے ان کے آگے رکھ دیا۔ جب دیکھا کہ یہ نہیں کھاتے تو ابراہیم علیہ السلام اپنے دل میں خوفزدہ ہوئے۔ فرشتوں نے کہا آپ خوفزدہ نہ ہوں ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم لوط پر عذاب لے کر آئے ہیں۔ اگر فرشتوں کے لیے کھانا پینا ممکن تھا تو انہوں نے کیوں نہ کھایا؟

میں عرض کروں گا کہ نہ کھانا اس بات کی دلیل نہیں کہ ان کے لیے کھانا عقلاً محال تھا، عدمِ وقوع سے عدمِ امکان ثابت نہیں ہوتا۔ اگر حکمتِ ایزدی اور مشیتِ ایزدی اس کی مقتضی ہوتی تو ضرور اس کا وقوع ہو جاتا۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ فرشتے جس کام کے لیے بشری اوصاف لے کر آئے تھے اس کام کو انجام دینے کے لیے اسی قدر اوصافِ بشریت کا ہونا مقتضائے حکمت تھا، جو انہیں دیئے گئے تھے

اور نبی کریم ﷺ کو جس کام کے لیے بھیجا گیا تھا اس کی انجام دہی کے لیے ان تمام اوصاف بشریت کا ہونا حکمت کے مطابق تھا جو حضور علیہ السلام لے کر تشریف لائے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ حضور ﷺ خداوند تعالیٰ کی طرف سے معلم بن کر تشریف لائے۔ نوعِ بشر کو اپنی بشریت کے ہر شعبہ میں اور حیات کے ہر مرحلہ پر ایک نمونہ اور اسوہ درکار تھا اس لیے حکمت الٰہیہ اس بات کی مقتضی ہوئی کہ نوع بشر کے ہر شعبۂ حیات میں تعلیم دینے کے لیے حضور سیّد عالم ﷺ کو بشریت کے وہ تمام اوصاف دیئے جائیں جو اس حکمت کے پورا ہونے کے لیے ضروری ہیں۔ اگر فرشتے بھی اسی منصب تبلیغ و تعلیم پر مامور ہو کر آتے تو یقیناً انہیں بھی بشریت کے وہ جملہ اوصاف دیئے جاتے جو حضور نبی کریم ﷺ کو عطا فرمائے گئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے **ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا**۔ اگر ہم کسی فرشتے کو نبی بنا کر بھیجتے تو اسے بھی رجل ہی بناتے۔ رجل مرد بالغ کو کہتے ہیں جو نوع بشر کا فرد ہے، معلوم ہوا کہ نوری مخلوق کو حکمت تعلیم کے لیے بشری اوصاف ملنا اس کے نوری ہونے کے منافی و معارض نہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

رہا یہ شبہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں کا علم نہ ہوا اور وہ خوف زدہ ہوئے، اس سے ثابت ہوا کہ انبیا علیہم السلام (معاذ اللہ) بے علم اور کمزور دل ہوتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لاعلمی نہیں بلکہ بے توجہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوبوں پر جب کسی خاص حالت کا غلبہ ہوتا ہے تو اُن کا دھیان بعض اوقات کسی امرِ معلوم کی طرف نہیں ہوتا۔ ابراہیم علیہ السلام انتہائی کریم النفس اور مہمان نواز تھے، آنے والے فرشتے چونکہ بشکل مہمان آئے تھے، انہیں دیکھتے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وصف کریمی اور جذبۂ اکرام ضعیف یعنی مہمان نوازی کا ذوق قوت سے فعل میں آ گیا اور اس وصف جمیل کا ان کی ذات مقدسہ پر ایسا غلبہ ہوا کہ اس وقت اس غلبۂ حال میں ان کی توجہ آنے والوں کی ملکیت کی طرف مبذول نہ ہوئی اور ظاہر ہے کہ یہ حال اور یہ وصف حال محمود اور وصف جمیل ہے جو موجبِ تعریف اور باعثِ مدح ہے۔ اس لیے اس وصفِ جمیل کا غلبہ ابراہیم علیہ السلام کے

حق میں (معاذ اللہ) کسی جرح وقدح کا موجب نہیں ہوسکتا بلکہ مدح وثنا اور ان کی تعریف کا باعث ہوگا۔ تعجب اس امر پر ہے کہ جہاں کوئی لفظ لاعلمی پر دلالت نہیں کرتا وہاں ان لوگوں کو لاعلمی نظر آگئی۔ مگر قرآن مجید ہی کے اندر انہیں یہ آیت نظر نہ آئی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وکذٰلک نری ابرھیم ملکوت السمٰوٰت والارض ولیکون من الموقنین "اور اسی طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو تمام آسمانوں اور زمینوں کے ملک دکھائے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہوجائیں"۔

یہ لوگ ذرا غور کریں کہ وہ فرشتے جو انسانی لباس میں آئے تھے ملکوت السمٰوٰت والارض میں شامل تھے یا نہیں؟ جب شامل تھے تو ابراہیم علیہ السلام کے احاطۂ رویت سے انہیں کس طرح خارج کیا جاسکتا ہے؟ پھر لطف یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہی واقعہ جس میں فرشتوں کے آنے کا ذکر ہے اس امر کی روشن دلیل ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے ارحام میں آنے سے پہلے ہی ان کی پیدائش کا علم نہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلکہ ان کی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام کو بھی ہوگیا تھا۔ جو دلیل محبوبانِ خدا کے کمال کی مثبت ہو اُسے (معاذ اللہ) عیب ثابت کرنے کے لیے پیش کیا جانا ع

"بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست"

اس عدم التفات کی مفصل بحث ان شاء اللہ ہم کسی دوسری فرصت میں کریں گے۔ سرِ دست اتنا عرض کردینا کافی ہے کہ مومن بسا اوقات معتقداتِ دینیہ اور احکامِ الٰہیہ (جن پر وہ ایمان رکھتا ہے) کی طرف متوجہ نہیں ہوتا مثلاً کھانے پینے یا دیگر حوائج بشریہ کے پورا کرنے میں مصروف ہے یا نیند کی حالت میں ہے، یا خدانخواستہ کسی رنج والم اور صدمہ وتکلیف کے حال میں مبتلا ہے۔ اس وقت اس کی توجہ قیامت، حشر ونشر، دوزخ وجنت، جزا وسزا وغیرہ اُمور کی طرف مبذول نہیں، مگر اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس وقت اسے ان چیزوں کا علم بھی نہیں، کیونکہ علم کی نفی تصدیق کی نفی کو مستلزم ہے اور تصدیق کی نفی ایمان کی نفی ہے تو (معاذ اللہ) ایسے حال میں وہ مومن نہ رہے گا بلکہ کافر قرار پائے گا؟ حالانکہ وہ اس وقت بھی مومن ہے، معلوم ہوا کہ کسی حال کے غلبہ کے باعث اگر کسی امرِ معلوم کی طرف توجہ نہ رہے تو

اس سے علم کی نفی لازم نہیں آتی۔ اسی طرح حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے شمار واقعات پیش آئے لوگوں نے علم کی نفی سمجھی حالانکہ صرف توجہ اور التفات کی نفی تھی۔ چونکہ انبیا علیہم السلام کی توجہ اور عدم توجہ دونوں اللہ تعالیٰ کی خاص حکمتوں سے وابستہ ہیں اس لیے کبھی عدم التفات کا حال جلدی ختم ہو جاتا ہے اور کبھی دیر تک باقی رہتا ہے۔ کچھ بھی ہو بہ نوع توجہ کی نفی سے علم منفی نہیں ہوتا، یہی حال حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا جس کو لوگوں نے نہیں سمجھا اور اپنی لاعلمی کا اقرار کرنے کی بجائے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کو لاعلم کہہ دیا۔

اَب خوفزدہ ہونے کے پہلو کو سامنے لائیے۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام خوفزدہ ہوئے، مگر یاد رکھیے کہ یہ خوف کسی مخلوق سے نہیں جو کہ کمزور دل ہونے کی دلیل بن جائے بلکہ اس کا منشا یہ تھا کہ جب سیّدنا ابراہیم علیہ السلام پر یہ امر منکشف ہوا کہ یہ آنے والے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب لے کر آئے ہیں اور عذاب الٰہی اگرچہ نافرمانوں کے لیے تھا لیکن انبیا علیہم السلام چونکہ قرب و معرفت الٰہی کے اعلیٰ مقام پر ہوتے ہیں اس لیے خوف اور خشیتِ الٰہی جس قدر انہیں لاحق ہوتا ہے کسی دوسرے کو لاحق نہیں ہوتا۔ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "انا اعلمکم باللہ واخشاکم منہ" (بخاری) "میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں"، اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ولمن خاف مقام ربہ جنتٰن "جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں" لہٰذا سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا خوفِ الٰہی سے متاثر ہونا بھی ان کے کمزور دِل ہونے کا مثبت نہیں بلکہ ان کے کمال قرب و معرفت کی دلیل ہے۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جو فرشتے کھانے پینے، توالد و تناسل سے بے تعلق ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ نور کے لیے یہ چیزیں عقلاً محال ہیں بلکہ صرف یہ وجہ ہے کہ ان کے لیے ان اُمور کا ہونا مقتضائے حکمت کے خلاف ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ میں ان اُمور کا پایا جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نورانیت سے خالی ہم جیسے بشر ہیں۔ بلکہ نور

ہونے کے باوجود جملہ اوصافِ بشریہ جو مذکور ہوئے منصبِ نبوت کے مناسب اور حکمتِ تعلیم وتکمیل دین کے لیے ضروری تھے۔

ایک اشکال اور اُس کا حل

شاید آپ کہیں کہ فرشتے کی تعریف یہی ہے کہ وہ ایک ایسا نورانی جوہر ہے جو اشکالِ مختلفہ میں متشکل ہوتا ہے اور اس میں مذکر و مؤنث نہیں پایا جاتا۔ اس تعریف سے معلوم ہوا کہ جن اُمور کو آپ اوصافِ بشری اور ملائکہ کے حق میں انہیں محال عادی کہہ رہے ہیں وہ سب اشکالِ محضہ ہیں، جو فرشتوں کے لیے عادت ہیں اور انہیں اوصافِ بشریہ قرار دے کر ملائکہ کے حق میں محالِ عادی کہنا درست نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شکل اس ہیئت کو کہتے ہیں جو کسی مقدار کو متناہی کی جہت سے حاصل ہو۔ اس ہیئت کا حصول ملائکہ کے حق میں قطعاً امرِ عادی ہے۔ ہم نے اسے نہ اوصافِ بشریہ میں شمار کیا نہ فرشتوں کے لیے محالِ عادی کہا۔ لیکن ملائکہ کے لیے صرف شکلِ بشری ہی نہیں بلکہ دیگر اوصافِ بشریت بھی ثابت ہیں۔ صحیحین کی حدیث میں جبرئیل علیہ السلام کے لیے **شدید بیاض الثیاب، شدید سواد الشعر** کے الفاظ وارد ہیں، جن کے معنی ہیں نہایت سفید کپڑوں والے، سخت سیاہ بالوں والے، اور اس کے بعد **اَسۡنَدَ رکتبیة الیٰ رکتبیة ووضع کیه علیٰ فخذیه** بھی وارد ہے۔ جس کے معنی ہیں جبرئیل علیہ السلام نے اپنے دونوں گھٹنے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھٹنوں سے ملا دیئے اور اپنی دونوں ہتھیلیاں حضور علیہ السلام کی یا اپنی رانوں پر رکھ دیں۔

ظاہر ہے کہ نورانیت محضہ ایسی چیز نہیں جس کے لیے کپڑے پہننا، سیاہ بالوں والا ہونا اور گھٹنے سے گھٹنہ ملانا اور ہتھیلیوں کا رانوں پر رکھنا متصور ہو، بلکہ نورِ محض کے لیے تو سیاہی، بال، گھٹنا، ہتھیلی اور ان کا وجود ہی ممکن نہیں۔ اسی طرح شکلِ محض کے بارے میں بھی یہ اُمور متحقق نہیں ہو سکتے، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ جبرئیل علیہ السلام جو نورِ محض ہیں صرف شکلِ بشری نہیں بلکہ وصفِ جسمانیت بھی لے کر آئے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لطمہ (طمانچہ) بھی اس امر کی دلیل ہے کہ ملک الموت جو ایک مقرب فرشتہ ہے محض شکلِ

بشری میں نہ تھا، کیونکہ شکل تو ایک ہیئت کا نام ہے اس کو مارنا قطعاً امرِ غیر معقول ہے۔ پھر ملک الموت کی آنکھ پھوٹنا بھی اس امر کی قوی دلیل ہے کہ وہ محض شکلِ بشری میں نہ تھے بلکہ وصفِ بشری تھا۔ کیونکہ شکل کا پھوٹنا کوئی معنی نہیں رکھتا، لہٰذا ثابت ہوگیا کہ ملائکہ محض شکلِ انسانی نہیں بلکہ اوصافِ بشریہ سے بھی بطور خرق عادت متصف ہو سکتے ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر سوال کیا جائے کہ توالد و تناسل، کھانا پینا، بول و براز، خون اور تھوک، صحت و مرض، استقرار فی الارض ایسے امور ہیں جو لوازم و خواصِ بشریت سے ہیں، انہیں محض مقتضیات و مناسبات یا اوصافِ بشریت سے کیوں تعبیر کیا گیا تو میں جواباً عرض کروں گا کہ اُمورِ بشریت کے خواص ولوازمات سے نہیں بلکہ محض مقتضیات و مناسبات اور اوصافِ بشریت ہی سے ہیں۔ اس لیے کہ خاصہ کے معنی ہیں **ما توجد فیه ولا توجد فی غیرہ** حالانکہ یہ اُمور بشریت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وحوش و بہائم اور دیگر حیوانات میں بھی پائے جاتے ہیں اور ان میں سے اکثر اوصاف جنات میں بھی موجود ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ گائے، بیل، گھوڑا، گدھا، اونٹ، بکری، شیر، ہاتھی، سب جانوروں میں توالد و تناسل، کھانا پینا، بول و براز، خون، تھوک، صحت و مرض، استقرار فی الارض کے اوصاف پائے جاتے ہیں اور جنات میں توالد و تناسل، کھانا، پینا وغیرہ ہم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں۔ اگر یہ اُمور خواصِ بشریت قرار دیے جائیں تو جنات و حیوانات میں ان کا پایا جانا کیونکر صحیح ہوگا۔

رہا یہ امر کہ یہ لوازمات کیوں نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ لازم کی تعریف یہ ہے کہ **ما یمتنع انفکاکه عن الشئی** جس کا کسی شئے سے جدا ہونا محال ہو وہ اس کا لازم ہے۔ ہزاروں افرادِ انسانی ایسے ہیں جن میں توالد و تناسل نہیں پایا جاتا اور ان میں اس کی صلاحیت بھی مفقود ہوتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں کسی مرد کو دخل نہیں، حوا علیہا السلام کے پیدا ہونے میں کسی عورت کا وجود نہیں، آدم علیہ السلام کی خلقت مرد و عورت دونوں سے لاتعلق ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام باوجود بشریت کے عنصری غذا کھانے پینے، بول و براز، بیماری و آزاری وغیرہ اُمور سے بری ہیں اور ان کا استقرار بھی زمین کی بجائے آسمان پر ہے جہاں

عنصری اور مادّی آلائشوں سے وہ بالکل لاتعلق ہیں۔ اگر ان امورِ مذکور کو لوازم بشریت سے مانا جائے تو کوئی فردِ بشر ان اوصاف میں سے کسی ایک وصف سے بھی کسی وقت خالی نہیں رہ سکتا، لیکن یہ خلو اور انفکاک ثابت و متحقق ہے، معلوم ہوا کہ امورِ مذکورہ نہ خواصِ بشریت سے ہیں نہ لوازماتِ بشریت سے بلکہ مقتضیات اور مناسباتِ بشریت سے ہیں اور بس۔

اور اگر حقائق سے چشم پوشی کر کے اُمورِ مذکورہ کو خواص اور لوازم مان ہی لیا جائے تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ یہ خواص بشر کے علاوہ جن حیوانات میں پائے جاتے ہیں وہ سب بشر ہیں اور لوازماتِ مذکورہ جن افرادِ بشر میں نہیں پائے جاتے وہ سب بشریت سے خارج ہیں۔ اس تقدیر پر جملہ حیوانات بشر ہو جائیں گے اور وہ ہزاروں افرادِ بشر جن میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے سب بشریت سے خارج متصور ہوں گے، جو صراحۃً باطل ہے۔

اور اگر اس ساری بحث سے قطع نظر کر لی جائے تب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت پر حرف نہیں آتا، کیونکہ ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجودِ اقدس میں بشریت بھی ہے اور نورانیت بھی۔ یہ علیحدہ امر ہے کہ بشریتِ محمدی ہر قسم کی کثافت و غلاظت اور جملہ عیوب نقائصِ بشریہ سے پاک ہے لیکن بہرنوع وجودِ اقدس میں نورانیت کے ساتھ بشریت بھی ضرور پائی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق "قد جاء کم من اللہ نور" بھی آیا ہے اور "قل انما انا بشرٌ مثلکم" بھی وارد ہے، لٰہذا بشریت کے لیے مناسباتِ بشریہ کا ہونا عین حکمت کے مطابق ہے۔ اسی طرح نورانیت کے لیے مناسباتِ نورانیت کا ہونا بھی ضروری اور لابدی ہے۔

لیکن اس مقام پر یہ امر ضرور ملحوظ رہے کہ ہر چیز کے مناسبات اس کے لیے عادت کہلاتے ہیں اور جو اُمور اس کے مناسبات سے نہیں وہ اس کے حق میں خرق عادت قرار پاتے ہیں۔ کسی چیز میں اُمورِ عادیہ کا پایا جانا حیرت کا موجب نہیں ہوتا لیکن خرقِ عادت کا ظہور یقیناً حیرت کا سبب ہوتا ہے۔ مثلاً گائے بیل کے لیے زمین پر رہنا عادت ہے اور مچھلیوں کے لیے پانی میں رہنا۔ اسی طرح پرندوں کے لیے ہوا میں اُڑنا عادت ہے اور چیونٹیوں وغیرہ حشرات الارض کے لیے زمین میں رہنا اور زمین پر چلنا۔ اَب اگر مثلاً گائے

بیل اور مچھلیاں ہوا میں اُڑنے لگیں اور آسمان پر اُڑنے والے پرندے پانی میں دوڑنے لگیں اور چیونٹیاں وغیرہ زمین میں رہنے والے کیڑے پانی میں رہائش اختیار کرلیں یا فضاؤں میں اُڑنے لگیں تو یہ اُمور ان کے لیے خرق عادت ہونے کی وجہ سے حیرت واستعجاب کا موجب ہوں گے، اور یہ اس بات کی علامت قرار پائیں گے کہ ان چیزوں میں غیر معمولی استعداد موجود ہے جو اپنے عواقب ونتائج کے حسن وخوبی کے اعتبار سے ان کی خوبی اور کمال کی دلیل ہوسکتے ہیں۔

بشریت ونورانیت کے مقتضیات ومناسبات کو بھی اسی نہج پر سمجھنا چاہیے۔ کھانا پینا، توالد وتناسل، بیماری، تندرستی، بھوک پیاس، زمین پر چلنا، جسم کا زخمی ہونا، بدن سے خون نکلنا، پیشاب وغیرہ دیگر فضلات کا پایا جانا، اُمورِ بشریت کے مقتضیات اور اس کے مناسبات ہیں جو بشریت کے حق میں قطعاً اُمورِ عادیہ ہیں۔ اس کے برخلاف کھانے پینے، بیماری تندرستی، بھوک پیاس، توالد وتناسل، زخمی ہونے، خون بہنے اور پیشاب وغیرہ سے لاتعلق ہونا نورانیت کے مناسبات مقتضیات ہیں اور یہ جملہ اُمور نورانیت کے لیے یقیناً اُمورِ عادیہ ہیں۔ جس طرح بشریت ونورانیت میں سے ہر ایک کے مناسبات اس کے حق میں اُمورِ عادیہ ہیں، اسی طرح ان میں سے ہر ایک کے مناسبات دوسرے کے لیے غیر عادیہ ہیں۔ اگر بشریت کے مناسبات نورانیت کے ساتھ پائے جائیں تو وہ اس کے لیے خرق عادت ہوں گے اور اسی طرح نورانیت کے مناسبات بشریت کے ساتھ پائے جائیں تو وہ اس کے لیے خرق عادت قرار پائیں گے۔

جن لوگوں نے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے احوالِ بشریہ کو دیکھ کر حضور علیہ السلام کو اپنا جیسا سمجھ لیا انہوں نے انتہائی تنگ نظری کا ثبوت دیا، حضور علیہ السلام کی ذاتِ مقدسہ میں جس طرح بشریت پائی جاتی ہے اسی طرح نورانیت بھی پائی جاتی ہے اور جب بشریت و نورانیت دونوں موجود ہیں تو دونوں کے مقتضیات ومناسبات کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں کو پیش نظر رکھا جائے لیکن تنگ نظر لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے کھانے پینے کو تو دیکھ لیا اور یہ نہ دیکھا کہ ''نہ کھانا پینا'' بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی صفت ہے۔

چنانچہ صحیحین کی حدیث میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پے در پے نفلی روزے اس طرح رکھتے تھے کہ دن کو بھی روزہ، رات کو بھی روزہ اور یہ صوم وصال مسلسل کئی دن تک جاری رہتا تھا اور اس نہ کھانے پینے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مقدسہ میں ذرّہ برابر کمزوری اور ضعف کا اثر پیدا نہ ہوتا تھا۔ بعض صحابہ کرام نے بھی یہ طے کا روزہ رکھنا شروع کیا اور دو تین دن میں ایسے کمزور ہو گئے کہ ضعف کی وجہ سے چلتے چلتے گر جاتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے ان کا یہ حال دیکھ کر ارشاد فرمایا "ابیت عند ربی وھو یطعمنی ویسقینی ایکم مثلی" یعنی میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں وہ مجھے (روحانی طور پر) کھلاتا پلاتا ہے۔ تم میں کون میری مثل ہے۔ اور بخاری شریف کی ایک حدیث میں اس مقام پر "ایکم مثلی" کی بجائے "لست مثلکم" وارد ہے، یعنی میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔

دیکھیے جس طرح بشریت کی مناسبت سے حضور علیہ السلام کا کھانا پینا ثابت ہے بالکل اسی طرح نورانیت کی مناسبت سے نہ کھانا اور نہ پینا بھی ثابت ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کا بتقاضائے بشریت بھوک پیاس کے حال سے متصف ہونا اور بیماری وتندرستی کے ماحول سے گزرنا یقیناً ثابت ہے، لیکن بتقاضائے نورانیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آثارِ شریفہ سے لوگوں کی بھوک پیاس کا دُور ہو جانا اور بیماریوں کا زائل ہونا بھی ثابت ہے۔ بلکہ جُبہ مبارکہ کی برکت سے بیماروں کا شفایاب ہونا حقیقتِ ثابتہ ہے۔ دیکھیے مسلم شریف میں وارد ہے، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے جبّہ سے بیماروں کے لیے شفا حاصل کرتے تھے۔ (مسلم شریف، جلد اوّل) پیشاب فرمانے، پسینہ مبارک آنے اور دیگر فضلاتِ شریفہ کے جسم اقدس میں پائے جانے پر تو نظر رکھی مگر یہ نہ دیکھا کہ پسینہ اقدس فضلاتِ شریفہ ایسے معطر و معنبر اور خوشبودار تھے کہ دنیا کی کوئی خوشبو ان کی خوشبو کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی اور فضلات لطیف ونظیف اور طیب وطاہر تھے۔ حضور علیہ السلام کا بتقاضائے بشریت زمین پر چلنا یقیناً حق ہے لیکن بتقاضائے نورانیت آسمانوں پر تشریف فرما ہونا بلکہ عرشِ الٰہی پر خرام ناز فرمانا بھی ثابت ہے۔ بے شک مناسباتِ بشریہ کی وجہ سے حضور علیہ السلام توالد وتناسل کی صفت سے متصف ہیں اور آدم علیہ السلام کی اولاد میں یقیناً شامل ہیں لیکن بتقاضائے نورانیت اوّل

خلق بھی حضور ہی ہیں اور آدم علیہ السلام و دیگر تمام انبیا علیہم السلام سے قبل حضور علیہ السلام کی خلقت واقع ہوئی۔ جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہوا ''انا اولھم خلقاً'' یعنی مَیں تمام انبیا علیہم السلام سے پہلے پیدا ہوا ہوں۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث میں وارد ہے کہ میں اس وقت نبی تھا جب آدم علیہ لسلام جسم اور روح کے درمیان تھے۔ گویا بشریت کے اعتبار سے حضور علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ اور اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے بیٹے ہیں، لیکن اپنی نورانیت کے لحاظ سے آدم و اولادِ آدم سب کی اصل ہیں لاریب! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد کے موقع پر بار ہا زخمی ہوئے اور بتقاضائے بشریت بدنِ مبارک سے خونِ اقدس کے قطرے بھی ٹپکے، لیکن کئی بار شق صدر مبارک ہوا اور بتقاضائے نورانیت خون کا ایک قطرہ بھی جسم شریف سے نہیں نکلا، نہ زخم ہوا نہ تکلیف ہوئی نہ دوا دارو کی حاجت واقع ہوئی۔

علیٰ ہذا القیاس حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ شریفہ میں شب کی نماز پڑھتے تھے۔ حجرہ مبارکہ میں چراغ نہ ہونے کی وجہ سے اندھیرا ہوتا تھا۔ حضور علیہ السلام جب سجدہ فرماتے تو حضرت اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جسم اقدس کو اپنے دست مبارک سے ذرا دبا دیتے تو اُم المومنین حضور کے سجدہ کے لیے جگہ چھوڑ دیتیں۔ ذاتِ مقدسہ میں باوجود نورانیت ہونے کے اُجالا نہ ہونا بشریت کا مقتضا تھا لیکن حضور سیّد عالم شب کی تاریکی میں جب راستے پر چلتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے دیواریں روشن ہو جاتیں، دیکھیے بیہقی شریف کی حدیث میں ہے:

''وقال ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واذا ضحك صلی اللہ علیہ وسلم یتلالؤ فی الجدر رواہ البزار والبیھقی ای یضیٔ فی الجدر بضم الجیم والدال جمع جدارٍ وھو الحائط ای یشرقُ نورہٗ علیھا اشراقاً کاشراقِ الشمس علیھا انتھی''

(مواھب اللدنیہ، جلد اوّل، ص ۲۷۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب

ہنستے تھے تو حضور کا نور دیواروں پر چمکتا تھا۔ اس حدیث کو امام بزار اور بیہقی نے روایت کیا۔ امام قسطلانی حدیث کے معنی بیان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نور دیواروں پر ایسا چمکتا اور روشن ہوتا تھا جیسے سورج کی روشنی دیواروں پر پڑتی ہے اور چمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔

رات کی تاریکی میں حضور علیہ السلام کے نور سے دیواروں کا روشن ہونا نورانیت کا مقتضا تھا۔ رہا یہ امر کہ اُم المومنین کے حجرے میں اُجالا ظاہر نہ ہونے میں کیا حکمت تھی؟ تو میں عرض کروں گا کہ حضور علیہ السلام کے تمام مقتضیات بے شمار حکمتوں پر مبنی ہیں، بالخصوص مقتضیاتِ بشریہ میں جو چیز سب سے زیادہ واضح اور روشن ہے، وہ تبلیغ و تعلیم اور تکمیل دین کی حکمت ہے۔ اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ شریفہ میں اگر اُجالا ظاہر ہوتا تو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سجدہ کے لیے خود بخود جگہ چھوڑ دیتیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بحالت نماز ان کے بدن کو چھونے کی نوبت نہ آتی۔ جب حجرہ شریفہ میں اُجالا نہ ہوا تو حضور علیہ السلام کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بدن کو مس فرمانے کا موقع بہم پہنچا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عمل مبارک سے بادی النظر میں دین کے پانچ مسئلے مکمل ہو گئے اور اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو نہ معلوم اور کتنے مسائل نکلیں گے، وہ مسائلِ خمسہ حسب ذیل ہیں:

(۱) نماز میں عمل قلیل جائز ہے۔

(۲) عورت کے بدن کو ہاتھ لگنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

(۳) عورت کو چھونا مفسدِ صلوٰۃ نہیں۔

(۴) وقتِ ضرورت اندھیرے میں نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔

(۵) نمازی کے آگے عورت کے ہونے سے نماز میں فتور نہیں آتا۔

شاید کوئی کہے کہ آپ نے جو اُمور مقتضیاتِ بشریت کے خلاف بیان کیے ہیں وہ سب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات ہیں، تو میں عرض کروں گا کہ بے شک وہ جملہ امور بشریت کے اعتبار سے معجزات ہیں، لیکن جس طرح یہ اُمور معجزہ ہیں اسی طرح تمام مقتضیات بشریت حضور علیہ السلام کے حق میں معجزہ قرار پائیں گے، کیونکہ ہر وصف خارق عادت نبی کے حق

میں معجزہ کی شان رکھتا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ اوصاف بشریہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نورانیت کے لیے یقیناً خارق عادت ہیں، لہٰذا اچھی طرح واضح ہو گیا کہ جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا عرش پر جانا بشریت کے اعتبار سے معجزہ ہے اسی طرح فرش پر رہنا نورانیت کے لحاظ سے معجزہ ہے۔ حضور علیہ السلام کا صوم وصال کے وقت مسلسل کئی دن اور کئی راتوں تک کھانے پینے سے لاتعلق رہنا بشریت کی نسبت سے معجزہ ہے اور حکمت تعلیم کے لیے کھانا پینا نورانیت کے اعتبار سے معجزہ ہے۔ شق صدر مبارک کے اوقات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم اقدس سے خونِ مبارک کا نہ نکلنا بشریت کے حق میں معجزہ ہے اور جہاد کے مواقع میں خونِ اقدس کا نکلنا نورانیت کے لیے معجزہ ہے۔ پسینہ مبارک و دیگر فضلاتِ شریفہ کا خوشبودار و معطر ہونا اور جسم اقدس کے جمیع متعلقاتِ شریفہ کا طیب و طاہر ہونا حضور علیہ السلام کی بشریت کا معجزہ ہے اور نفس فضلات شریفہ کا پایا جانا نورانیت کا معجزہ ہے۔ لعاب دہن مبارک سے لوگوں کی بھوک پیاس کا زائل ہو جانا اور جُبہ مبارکہ سے بیماروں کا شفایاب ہونا بشریت کی جہت سے معجزہ ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر خود بھوک پیاس اور بیماری کا عارض ہونا نورانیت کی نسبت سے معجزہ ہے، یہ علیحدہ امر ہے کہ اس عالم میں بشریت مطہرہ کے غلبہ اور ظہور تام کے باعث ان مقتضیاتِ بشریہ کا بلحاظ نورانیت معجزہ ہونا غیر ظاہر ہو، لیکن حقیقت واقعیہ کے پیش نظر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام اوصافِ بشریہ معجزانہ شان رکھتے ہیں، علیٰ ہذا آدم و اولادِ آدم علیہ السلام کی اصل ہونا بشریت کے لیے خرق عادت ہونے کی وجہ سے حسن و جمال ہے اور نسل بنی آدم میں پیدا ہو کر والدین ماجدین کا بیٹا ہونا نورانیت کے باعث خوبی و کمال ہے۔ مختصر یہ کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے خواص نورانیت بالنسبۃ الی البشریت معجزات و کمالات ہیں اور اوصافِ بشریت بالنسبۃ الی النورانیت کمالات و معجزات ہیں اور ذاتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں جب بشریت اور نورانیت دونوں جمع ہو گئیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مجسم معجزہ اور کمال ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

فرشتہ نور ہے اور قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مقدسہ سے فرشتہ ہونے کی نفی وارد ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا "ولا اقول لکم انی ملک" یعنی کہہ دو کہ میں تم سے نہیں کہتا

کہ میں فرشتہ ہوں۔ جب حضور علیہ السلام سے ملک ہونے کی نفی ہوگئی تو نورانیت کی بھی نفی ہوگئی۔ اس کا ازالہ یہ ہے کہ ملک اور نور کے مابین تساوی کی نسبت نہیں کہ ایک کی نفی سے دوسرے کی نفی ہوجائے۔ دوسرے یہ کہ حقیقت قول کی نفی وجودِ مقول کی نفی کو مستلزم نہیں۔ تیسرے یہ کہ ملک ایک خاص نوری مخلوق کو کہا جاتا ہے جس میں بشریت نہیں ہوتی، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملک کہا جائے تو حضور علیہ السلام کی ذاتِ مقدسہ سے حقیقت بشری منتفی ہوجائے گی۔ حالانکہ حضور علیہ السلام تمام حقائق کائنات کے جامع ہیں، اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملک کہنا جائز نہیں لیکن ملک نہ ہونے سے نور نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ فرشتوں کے علاوہ بے شمار نوری افراد ہیں جو ملک نہیں مگر نور ہیں اسی طرح حضور علیہ السلام بھی ملک نہیں مگر نور ہیں۔

یہ تمام گفتگو عامر صاحب کے من گھڑت لوازماتِ نور پر تھی۔ ناظرین کرام نے دیکھ لیا کہ حقائق کی روشنی میں عامر صاحب کے بیان فرمودہ لوازمات میں سے ایک لازمہ بھی صحیح ثابت نہ ہوا۔ اس سلسلے میں اگرچہ ہمارا بیان کچھ طویل ہوگیا ہے مگر اس کے ذیل میں ایسے مسائل آگئے ہیں جنہیں پڑھ کر یہ طول باعثِ ملال نہ ہوگا۔

انسان کے لیے بے خبری اور لاعلمی کی حالت میں مکھی کیا زہر بھی کھالینا ممکن ہے، لیکن دکھانے اور بتانے کے بعد کوئی ہوشمند ایک معمولی سی مضرت رساں چیز کھانا بھی گوارا نہیں کرتا۔

سایۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مسئلے میں عامر صاحب نے السعید کا ''ظل نمبر'' پڑھنے کے بعد اس کے تعاقب میں جو زہر کی گولیاں چبائیں اور جیتی مکھیاں کھائی ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بصیرت و بصارت کی نعمت سے یکسر محروم ہیں۔ وہ خوش ہیں کہ ہم نے طعن و تشنیع کی بھرمار کرکے اور چند طنزیہ فقروں کی لوٹ پھیر کا چکر چلا کر عوام کے اذہان کو السعید کے پیش کردہ براہین کے وزن سے خالی کردیا، اور سادہ لوح عوام کو سمجھا دیا کہ السعید کے دلائل کچھ نہیں، لیکن جوابِ تعاقب میں ہمارے مضمون کی چار قسطیں پڑھنے کے بعد ناظرین کرام پر واضح ہوگیا ہوگا کہ عامر صاحب کی یہ خوش فہمی کتنی دیرپا ثابت ہوئی۔ عامر صاحب کو اپنی طرزِ نگارش پر ناز ہے، وہ محض اپنی لفاظی کے بل بوتے پر دلائل و براہین کی ٹھوس حقیقتوں سے ٹکرا جاتے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے کہ لفظِ بے معنی جسمِ بے جان کی طرح بے وقعت اور بیکار ہوتا ہے۔

السعید نے دلائل و براہین کی شمشیر سے عامر صاحب کی آبلہ فریبیوں پر ایسی کاری ضربیں لگائی تھیں جن کی تاب نہ لاکر سسکیاں لیے بغیر ہی ان کا خاتمہ ہو چکا تھا، لیکن عامر صاحب کی جسارت دیکھیے کہ انہیں اپنی لفاظی کا جامہ پہنا کر صرف زندوں کی صف میں نہیں بلکہ بہادر پہلوانوں کے دوش بدوش لاکھڑا کیا اور ان کے سہارے پر ڈھٹائی کے ساتھ خم ٹھونک کر سامنے آ گئے۔ ع

آفریں باد بریں ہمتِ مردانہ تو

عامر صاحب کو **المحن بالحجة** (جھگڑالو) ہونے میں جو کمال حاصل ہے، اس کا اعتراف نہ کرنا ایک حقیقت ثابتہ کو جھٹلانا ہے جس کی روشن دلیل ناظرین کرام سامنے موجود ہے کہ انہوں نے اپنی علمی اور استدلالی کمزوریوں اور بے مائگی کو الفاظ کے جامے میں چھپانے کی انتہائی کوشش کی ہے مگر انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اگر کٹ حجتی حقانیت کی دلیل ہوتی تو ایسے لوگوں کے حق میں زبانِ رسالت سے **قطعةٌ من النار** کی وعید صادر نہ ہوتی۔

خدا سے ڈریئے! اور خوفِ خدا کو دل میں جگہ دے کر السعید کے ظل نمبر میں پیش کردہ حقائق پر ایک دفعہ پھر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیے اور سوچئے کہ جن بنیادی اُمور کا آپ سے جواب نہ بن پڑا کس صفائی سے آپ نے انہیں نظر انداز کر دیا، نہیں بلکہ آپ انہیں شیرِ مادر کی طرح ہضم فرما گئے۔

میرے مضبوط دلائل کے سامنے طنزیہ انداز میں پھسپھسے الفاظ آپ نے کہے ہیں اور کمالاتِ رسالت کا انکار کرنے میں جس عناد کا مظاہرہ کیا ہے خوب سمجھ لیجیے کہ وہ زہر کے پیالے ہیں جنہیں آپ نے جان بوجھ کر پیا ہے اور جیتی مکھیاں ہیں جنہیں دیکھ بھال کر آپ نے کھایا ہے۔

آپ نے میری پیش کردہ ایک آیت **قد جاء کم من الله نور و کتاب مبین** کے مقابلے میں بائیس آیاتِ قرآنیہ اور اکیس عباراتِ مختلفہ بالکل بے محل پیش کر کے حق چھپانے کی ناکام کوشش کی اور تقریباً چودہ صفحے کی طول نگاری میں صرف اتنی بات کہی ہے کہ جس طرح دیگر آیات میں لفظ ''نور'' بطور استعارہ مستعمل ہے، اسی طرح اس آیت میں

بھی استعارہ ہے، اور نور سے مراد نورِ حسّی حقیقی نہیں بلکہ علم وہدایت کا نور ہے۔

ان شاء اللہ اگلے صفحات میں آپ کے استعارے پر مفصل گفتگو ہوگی، اور آپ کو معلوم ہوگا کہ اس بحث کو چھیڑ کر آپ کیسی دلدل میں پھنسے ہیں اور آپ کی اُلٹی منطق کن کھجورا بن کر کس طرح آپ کو چمٹی ہے۔

سرِ دست آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میرے تعاقب میں آپ نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، لیکن جس نکتے پر میں نے اپنے استدلال کی بنیاد رکھی تھی وہ ایسا سنگِ گراں ثابت ہوا کہ آپ کسی طرح اسے نہ ہلا سکے، بلکہ آپ کے مضمون سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اس کے قریب ہو کر بھی نہیں گزرے۔

عامر صاحب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم وہدایت کا نور ہونے میں اختلاف نہیں، وہ کون سا شقی ہے جو ہادیٔ عالم اور اعلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم وہدایت کا نور نہیں مانتا۔ اختلاف اس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت فقط علم وہدایت میں منحصر ہے یا حسّی حقیقی نورانیت کو بھی شامل ہے، جسے ضیاء، لمعان روشنی اور چمک کہا جاتا ہے۔

عامر صاحب اگر سچ پوچھیں تو بتا دوں کہ آپ لوگ فی الحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم و ہدایت کا نور بھی نہیں مانتے کیونکہ شب و روز آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی تنقیص میں لگے رہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برأتِ صدیقہ کا علم نہ تھا، لیلۃ القدر کا علم نہ تھا، روح کا علم نہ تھا، مغیباتِ خمسہ کا علم نہ تھا وغیرہ۔ بے شمار جزئیات اور واقعات کے علم کی آپ لوگ حضور علیہ السلام کی ذات سے نفی کرتے ہیں۔ نیز ابو طالب کے ہدایت یافتہ نہ ہونے کو آپ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہادی نہ ہونے کی دلیل قرار دیا کرتے ہیں، جب علم وہدایت دونوں کا انکار ہو گیا تو آپ کس منہ سے کہتے ہیں کہ ہم حضور کو علم ہدایت کا نور مانتے ہیں۔

بفضلہٖ تعالیٰ میں نے احادیثِ صحیحہ اور اقوالِ مفسرین کی روشنی میں اس حقیقت کو آفتاب سے زیادہ روشن کر کے دکھا دیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہونا صرف ایک قسم کی نورانی (علم وہدایت) میں منحصر نہیں بلکہ تمام قسم کی نورانیتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ثابت ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کی روشنی سے دیواروں کا روشن اور منور ہو جانا، دندانِ

مبارک سے نورانی شعاعوں کا نظر آنا، چہرۂ انور اور پیشانی مقدسہ سے نور کی شعاعوں کا چمکنا یہ سب کچھ احادیثِ صحیحہ سے بحوالہ کتب وصفحات ''السعید'' کے ظل نمبر میں لکھ چکا ہوں، اور تشریح مزید کے لیے شارحین ومفسرین وعلماء متبحرین کے واضح اقوال نقل کر چکا ہوں۔ میرے مضمون میں (تفسیر) روح المعانی کی یہ عبارت بھی آپ نے پڑھی ہوگی جو میری پیش کردہ آیت کریمہ قد جاء کم من اللہ نورٌ و کتاب مبین کے تحت روح المعانی پ ۶، ص ۸۷ پر مرقوم ہے۔

" (قد جاء کم من اللہ نور) ای نور الانوار والنبی المختار محمد صلی اللہ علیہ وسلم "۔

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صرف نور نہیں بلکہ نور الانوار یعنی سب نوروں کا نور'' ہیں۔ ''الانوار'' نور کے تمام اقسام وافراد کو شامل ہے اور لفظ نور اس کی طرف مضاف بہ اضافت استغراقیہ ہے، جو مضاف الیہ کے جمیع افراد کو شامل ہے اور اس کا مفاد یہ ہے کہ عالم کا کوئی نور نہیں جس کا نور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوں۔ حضور صرف نور نہیں بلکہ ''نور الانوار'' ہیں، بتائیے آیۂ کریمہ میں لفظ نور ہر قسم کی نورانیت کو شامل ہے یا نہیں؟

عامر صاحب کی افتادِ طبع سے بعید نہیں کہ وہ اس تفسیری کلمہ کا معارضہ اُصولِ فقہ کی مشہور کتاب ''نور الانوار'' کے نام سے کر بیٹھیں، تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں یہ لفظ ایک کتاب کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو''انوار'' اس کتاب کے لیے عقلِ سلیم کی روشنی میں تسلیم کیے جاسکتے ہیں ان سب کا مجموعہ لفظ''نور الانوار'' سے مراد ہوسکتا ہے، اور صاحبِ روح المعانی کے کلام میں یہ لفظ''نور الانوار'' کلام الٰہی کے ایک لفظ''نور'' کی تفسیر میں وارد ہے، جس کا مصداق ذاتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ ہے۔ اس لیے یہاں وہ تمام حقائق نور یہ مراد لیے جائیں گے جن کا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ میں ہونا ممکن اور دلائلِ شرعیہ سے ثابت ہے۔ عامر صاحب کا یہ استدلال بالکل ایسا ہوگا جیسے کوئی احمق کسی صحابی یا غیر صحابی کے متعلق حدیث میں لفظِ رسول (بمعنی قاصد) دیکھ لے اور کہنے لگے کہ معاذ اللہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرح یہ بھی رسول ہیں۔ کیونکہ قرآن میں ''وما محمد الا رسول'' آیا ہے اور اس شخص کے

لیے بھی یہی لفظ رسول موجود، ہے لہٰذا دونوں کی رسالت یکساں ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، اور اگر عامر صاحب کے لیے اتنی بات کافی نہ ہو تو میں ان سے پوچھوں گا کہ اُصولِ فقہ کی کتاب کا نام بھی نور الانوار ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ''نور الانوار'' ہیں۔ کیا آپ کے نزدیک دونوں کے انوار یکساں ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو سمجھ لیجیے کہ آپ کا معارضہ باطل ہے۔

المرام

خلاصۃ الکلام یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسے کامل نور ہیں جس کے دامن میں تمام عالم کے تمام حقائق نوریہ مستور ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جہاں علم وحکمت، ایمان وعرفان اور ہدایت و اسلام کے نور ہیں وہاں حِسّی حقیقی نور بھی ہیں۔ عامر صاحب! آیاتِ قرآنیہ اور عباراتِ مختلفہ سے حضور علیہ السلام کو نورِ ہدایت اور نورِ علم وحکمت ثابت کرنا ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں۔ ہاں حقیقی حِسّی نور نہ ہونا یقیناً ہمارے دعویٰ کے منافی ہے، لیکن آپ نے اَب تک جتنی آیات و عبارات پیش کی ہیں ان میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نورِ حِسّی حقیقی ہونے کی نفی ثابت ہوتی ہو۔ عامر صاحب نے اس حقیقت کو یکسر نظر انداز کر دیا کہ آیۂ کریمہ کی تفسیر میں علمانے علم وہدایت کے الفاظ تو ضرور لکھے ہیں لیکن یہ کسی نے نہیں لکھا کہ یہاں لفظ نور علم وہدایت کے معنی میں منحصر ہے اور یہ نورِ حِسّی حقیقی نورانیت کے منافی ہے۔ خوب یاد رکھیے ''نورِ ہدایت'' اور ''صرف نورِ ہدایت'' ان دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ہم حضور علیہ السلام کو نورِ ہدایت مانتے ہیں مگر صرف نورِ ہدایت جس سے حضور علیہ السلام کی حِسّی حقیقی نورانیت کی نفی ہوتی ہو نہیں مانتے۔ بائیس آیتیں کیا آپ سارا قرآن پڑھ جایئے آپ کو ایسا ایک لفظ نہ ملے گا جس میں حصر ہو، نہ آج تک کسی مفسر نے حصر کا قول کیا۔ علیٰ ہذا احادیث کی طرف آئیں تو ان شاء اللہ قیامت تک ایک ضعیف سے ضعیف حدیث بھی آپ کو نہ مل سکے گی جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حِسّی حقیقی نور ہونے کی اور محض علم وہدایت میں منحصر ہونے کی تصریح ہو۔ اسی طرح بجز کسی بدعقیدہ مصنف کے کسی عالم دین متقدم یا متاخر کے کلام میں نورِ حِسّی کی نفی اور علم وہدایت میں انحصار کا ثبوت نہ مل سکے گا۔ ھاتو ابرھانکم ان کنتم صادقین۔ اس کے برخلاف ہم نے وہ احادیث واقوال علماے مفسرین پوری تفصیل

وتشریح کے ساتھ پیش کر دیئے جن سے حضور علیہ السلام کا نورِ حسّی ہونا بھی ثابت ہے۔

عامر صاحب سے یہ امر بھی بعید نہیں کہ وہ اپنی ترنگ میں آ کر اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ پڑھ دیں اور کہہ دیں کہ دیکھیے یہاں بشریت میں حصر موجود ہے، تو میں پہلے سے ان کی خدمت میں عرض کر دوں کہ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ کے ساتھ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْل کو بھی پڑھ لیجیے۔ اگر وہاں بشریت میں حصر ہے تو یہاں رسالت میں ہے۔ ظاہر ہے کہ رسالت بشریت کا غیر ہے ورنہ ہر رسول بشر ہوگا جو بداہۃً باطل ہے، کیونکہ فرشتے بشر نہ ہونے کے باوجود رسول ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہاں آپ نے جو حصر سمجھا ہے، وہ درست نہیں، ان شاء اللہ حصر کی یہ پوری بحث اپنے وقت پر آئے گی۔

حرفِ آخر

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا نورِ ہدایت ہونا حضور علیہ السلام کے نورِ حسّی ہونے کے ہرگز منافی نہیں جیسا کہ چاند سورج کا نورِ حسّی ہونا ان کے (حسبِ حال) نورِ ہدایت ہونے کے منافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْن، یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ ستارے بھی موجبِ ہدایت ہیں۔ علاوہ ازیں اگر چاند سورج کو اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ وہ اپنے صانع کی دلیل ہیں تو دینی ہدایت کا بھی وہ سبب قرار پاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا کی تفسیر میں آج تک کسی مفسر نے نُوْرًا وَّضِيَآءً کے تحت ہدایت کی روشنی کے معنی نہیں لکھے، لیکن اس سے ان کے نورِ ہدایت ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر کسی مفسر نے قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْر کے تحت نورِ حسّی کے معنی نہیں لکھے تو اس کی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نورِ حسّی ہونے کی بھی نفی نہیں ہو سکتی۔ پھر غور سے سُن لیجیے، آپ کا یہ شبہ ہے کہ آیت کریمہ "قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْر" کے تحت مفسرین نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نورِ حسّی ہونے کی تصریح نہیں فرمائی اور حضور کے نور ہونے کو حضور کے سایہ نہ ہونے کی دلیل نہیں ٹھہرایا، مگر یہ شبہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ مفسرین نے یہ دعویٰ کبھی نہیں کیا کہ ہم قرآن کریم کی آیات وکلمات کے تمام معنیٰ بیان کر دیں گے۔ قرآن کریم کے علوم غیر متناہی ہیں، غیر متناہی کا احصا کون کر سکتا ہے۔ مولائے

کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں لَا تُحْصیٰ عَجَائِبُہٗ قرآن کے معانی عجیبہ کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔

علاوہ ازیں علمِ تجوید وقرأت، علمِ تصوف، علمِ کلام اور علمِ فقہ کے تمام مسائل آج تک کسی مفسر نے اپنی تفسیر میں جمع نہیں کیے، بلکہ ہر فن کا مسئلہ اسی فن میں آیات واحادیث کی روشنی میں علمائے دین بیان کرتے چلے آئے۔ فقہ وفتاویٰ، علم الاسانید، اسماء الرجال، مسائلِ کلامیہ مستقل فنون ہیں۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کا سایہ نہ ہونا ابوابِ مناقب سے متعلق ہے اور مناقب ایک مستقل فن ہے، جس کا تعلق علما کے ایک خاص طبقہ سے ہے، جو فضائل و شمائل اور سیرتِ مقدسہ کے ابواب وفصول کی تدوین وتالیف کا کام انجام دیتا ہے، اور بحمدہٖ تعالیٰ ہم نے کتبِ فضائل وشمائل اور سیَر کے اتنے بے شمار حوالوں اور عبارتوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سایہ نہ ہونا ثابت کر دیا ہے کہ عامر صاحب کی آنکھیں کھل گئی ہوں گی۔ اس کے بعد بھی ان کا یہ کہنا کہ قد جاء کم من اللہ نور کی تفسیر میں مفسرین نے سایہ نہ ہونے کا مسئلہ نہیں لکھا۔ ایسا ہے جیسے بے وقوف یہ کہہ دے کہ مبسوط، فتح القدیر، فتاویٰ شامی، عالمگیری، دُرِ مختار اور قاضی خاں کے جملہ ابواب وفصول چونکہ مفسرین نے نہیں لکھے، اس لیے مَیں تسلیم نہیں کرتا، یا شرح مواقف، شرح مقاصد اور شرح عقائد وغیرہ کتب علم کلام کے جملہ مسائل مفسرین نے آیاتِ متعلقہ کے تحت ارقام نہیں فرمائے اس لیے وہ غلط ہیں، یا علمِ تصوف واخلاق کے وہ تمام مسائل جو فتوحاتِ مکیہ، احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، طریقہ محمدیہ، حدیقہ ندیہ وغیرہ کتب اخلاق وتصوف میں مرقوم ہیں آج تک کسی مفسر نے اُن آیات کے تحت ارقام نہیں فرمائے جن سے وہ مستنبط ہیں، لہٰذا وہ سب غلط اور نا قابل قبول ہیں۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم اقدس میں نورِ حسّی کا وجود اپنے مشاہدہ سے بیان کر رہے ہیں اور صاف الفاظ میں کہہ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور سے دیواریں روشن ہو جاتی تھیں تو آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ محض اپنی اُپج، ہٹ دھرمی اور ضد کو پورا کرنے کے لیے چمکتی ہوئی اور روشن احادیث کو نظر انداز کر کے اتنی بات پر اَڑ جائیں کہ اس آیت کی تفسیر میں کسی مفسر نے نورِ حسّی کا لفظ نہیں لکھا

اس لیے میں نہیں مانتا۔ ارے بندۂ خدا کسی مفسر نے نورِ حِسّی کا انکار کیا ہے یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نورانیت کو ایک قسم کی نورانیت میں منحصر مانا ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو تمہارا ادعائے حصر تمام مفسرین کے خلاف اور تفسیر بالرائے نہیں تو کیا ہے؟

آپ تو دلیلِ حصر کے بغیر حصر مان رہے ہیں اور حضور علیہ السلام کے نورِ حِسّی کا انکار کر رہے ہیں کہ مفسرین نے آیت قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین کی تفسیر میں نور علم و ہدایت کے سوا نورِ حِسّی کا ذکر نہیں کیا اور آپ کے مقتدا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے تو آیت کریمہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کی تفسیر میں ختم زمانی کے علاوہ ختم ذاتی اور ختم مکانی کے معنی بھی لکھ دیئے اور اسی لفظ خاتم النبیین کے عموم میں ختم ذاتی اور ختم مکانی کے معنی کو شامل کر لیا۔ حالانکہ عہدِ رسالت سے لے کر آج تک کسی مفسر نے اس آیت کی تفسیر میں ختم ذاتی اور مکانی کے معنی نہیں لکھے، "ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" بلکہ ساری اُمت کا اس بات پر اجماع ہے کہ آیت کریمہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کے معنی ختم زمانی میں منحصر ہیں۔ دیکھیے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس اجماع کو اپنی مشہور کتاب شفاء میں نقل کیا، اور مرزائیوں کے مقابلے میں آپ کے مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے اس اجماع علی الحصر کو بڑے زور شور سے پیش فرمایا، ملاحظہ فرمایئے ختم النبوۃ فی الآثار، ص ۱۰۹۔

لیکن اس کے باوجود آپ نے یا آپ کے ہم خیال کسی شخص نے مولوی نانوتوی صاحب کے خلاف قلم نہیں اُٹھایا اور ان سے نہیں پوچھا کہ جناب آیہ کریمہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کی تفسیر میں تو آج تک کسی مفسر نے ختم ذاتی اور مکانی کے معنی نہیں لکھے، نہ آیت کے یہ معنی کسی حدیث میں وارد ہیں بلکہ ان دونوں معنی کی نفی اور صرف ختم زمانی کے معنی پر حصر اجماع سے ثابت ہے۔ آپ کے ہم خیال تمام علما نانوتوی صاحب کی اس انوکھی، نرالی اور ان کی اپنی تفسیر کو شیرِ مادر کی طرح ہضم کر گئے اور قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین کی تفسیر میں باوجودیکہ کسی مفسر نے ادعاء حصر نہیں کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت حِسّیہ کے ثبوت میں روشن احادیث بھی موجود ہیں، لیکن عامر صاحب یہی رَٹ

لگائے چلے جارہے ہیں کہ اس آیت میں لفظ نور کی تفسیر کرتے ہوئے کسی مفسر نے حضور کے حِسّی نور ہونے کا ذکر نہیں کیا لہٰذا یہ لفظ محض استعارہ ہے حِسّی نورانیت کی دلیل نہیں۔

آخری اتمام حجت کے لیے عرض کردوں کہ علمانے اسی آیہ کریمہ **قد جاء کم من الله نور و کتاب مبین** کی تفسیر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہ صرف نور حِسّی بلکہ نور حِسّی کی اصل مانا ہے۔ علامہ صاوی مالکی مصری، تفسیر صاوی، جلد اوّل، ص ۲۳۹ میں فرماتے ہیں:

"لانه صلى الله عليه وسلم اصل کل نور حِسّي ومعنوي"

ترجمہ: اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر نور حِسّی اور معنوی کی اصل ہیں۔

بائیس آیات اور اکیس عبارات

جس طرح مرزائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی کو موت کے معنی میں ثابت کرنے کے لیے قرآن کریم کی وہ سب آیات نقل کردیں جہاں واقع لفظ "توفی" بمعنی موت وارد ہے، اور اسی ذیل میں بعض عبارات کو مفید مدعا سمجھ کر نقل کردیا اور ان تمام دلائل و براہین کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں جو حیاتِ مسیح علیہ السلام پر قائم ہیں۔ بالکل اسی طرح عامر صاحب نے وہ سب آیتیں نقل کردیں جن میں نور بمعنی ہدایت یا علم وارد ہوا ہے اور اسی طرح وہ عبارات لکھ ڈالیں جن میں یہ معنی مرقوم ہیں، اور ان تمام دلائل وشواہد سے آنکھوں کو بند کرلیا جن میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور حِسّی ہونے کا روشن ثبوت موجود ہے۔

ہم نے نہ کبھی یہ کہا کہ لفظ نور علم وہدایت کے لیے نہیں آتا اور نہ یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے (معاذ اللہ) علم وہدایت کا نور ثابت نہیں۔ پھر ان دونوں باتوں کو ثابت کرنے کے لیے عامر صاحب کا سارا زور لگا دینا لغو اور بے معنی نہیں تو اور کیا ہے؟ ہاں اگر ان میں کچھ ہمت تھی تو وہ یہ ثابت کرتے کہ لفظ نور بجز علم وہدایت کے نور حِسّی کے معنی میں نہیں آتا۔ نیز یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے قرآن وحدیث میں جہاں لفظ نور آیا ہے وہاں صرف علم وہدایت ہی کے معنی میں منحصر ہے۔ حِسّی نورانیت کے معنی وہاں منفی ہیں، جب وہ ثابت نہ کرسکے اور نہ قیامت تک ثابت کرسکتے ہیں تو اپنے گریبان میں خود منہ ڈال کر دیکھیں کہ وہ حق کے مقابلے میں کس قدر ہٹ دھرمی پر اَڑے ہوئے ہیں۔

علاوہ ازیں ایک اور اہم نکتہ عامر صاحب نے نظر انداز کر دیا، اور وہ یہ کہ آیت کریمہ قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نورِ خالص ہونے، اور نور ہونے کی وجہ سے حضور علیہ السلام کا سایہ نہ ہونے کا تمام مضمون آپ کے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے امداد السلوک میں لکھا ہے، ان کی اصل عبارات مع تشریح ظل نمبر میں پیش کر چکا ہوں اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے بیان پر بجز تشریح کے کچھ اضافہ نہیں کیا، لیکن آپ اسے بھی شیرِ مادر کی طرح ہضم فرما گئے۔ السعید کے ظل نمبر میں بھی میں نے کہا تھا اور اَب پھر کہتا ہوں کہ قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا نورِ خالص ثابت کرنا اور حضور علیہ السلام کے نورِ خالص ہونے کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ نہ ہونے کی دلیل قرار دینا آپ کے مقتدا دیوبندیت کے ستون مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا کارنامہ ہے، اس لیے آپ کے طعن و تشنیع کا نشانہ سب سے پہلے گنگوہی صاحب ہی بنتے ہیں۔ گمراہی، بے دینی، عیسائیت و نصرانیت اور کفر و شرک کے جتنے فتوے آپ نے اس مسلک والوں پر جڑے ہیں وہ آپ کے گنگوہی صاحب پر ہیں۔ لہٰذا آپ کا فرضِ اوّلیں ہے کہ صاف اور واضح الفاظ میں اعلان کر دیں کہ ہمارے نزدیک مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اس مسئلے میں یکساں مجرم ہیں، کیونکہ دونوں حضور علیہ السلام کو نورِ خالص مان کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو بے سایہ مانتے ہیں، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا نہ آپ سے یہ اُمید کی جاسکتی ہے، پھر آپ ہی بتائیں کہ حق پرستی اور دیانت اسی کا نام ہے؟ دین پسندی اور ایمانداری اسی کو کہتے ہیں؟ کیا مولوی رشید احمد صاحب احکام شرع سے مستثنیٰ ہیں؟ خدا کے خوف کو دل میں جگہ دے کر سوچیں کہ آپ کا یہ اغماض اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ کا مصداق ہے یا نہیں؟

عامر صاحب فرماتے ہیں:

"حد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات کے لیے بھی لفظ نور استعمال فرماتے ہیں تو تمثیل و تشبیہ ہی کے اسلوب میں، نہ کہ طبعیات کے نقطۂ نظر سے، ملاحظہ ہو سورۂ نور، رکوع ۵، پارہ ۱۸

الله نور السموٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح۔ (الآیہ)'' (ماہنامہ تجلی، بابت ماہ جون ۱۹۶۰ء، ص ۵۲)

اقول: سچ ہے کسی چیز کی محبت ہو یا عداوت، انسان کو اندھا کیے بغیر نہیں چھوڑتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت کی عداوت میں ذاتِ مقدسہ کے لیے معاذ اللہ تاریک سایہ ثابت کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق قرآن وحدیث میں واردشدہ لفظ ''نور'' کو حقیقت نورانیت کے معنی سے پھیر کر تشبیہ وتمثیل پر محمول کرنے کا عامر صاحب پر ایسا بھوت سوار ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کی بے مثل وبے تشبیہ ذاتِ مقدسہ کے لیے بھی اپنے زعم باطل میں اسی قرآن عظیم سے تشبیہ وتمثیل ثابت کر دی جو ببانگ دہل اعلان فرما رہا ہے، لیس کمثلہ شئی اللہ تعالیٰ مثل وشبہ سے پاک ہے، اس کی کوئی شئی مثل نہیں۔

عامر صاحب ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جو لفظ نور کو وہ تمثیل و تشبیہ پر محمول فرما رہے ہیں تو کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ نور کو وہ اللہ تعالیٰ کی مثل اور اس کے مشابہ قرار دے رہے ہیں۔ کیا اس کے علاوہ تمثیل وتشبیہ کے کوئی اور معنی بھی ہو سکتے ہیں؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو نور کو اللہ تعالیٰ کی مثل اور اس کے مشابہ کہہ کر انہوں نے قرآن پاک کی صاف وصریح آیت لیس کمثلہ شئی کی معاذ اللہ تکذیب کی یا نہیں؟

یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ طبعیاتی نور سے پاک ہے لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ لفظِ نور سے جہاں طبعیاتی نور مراد نہ ہو وہاں تمثیل وتشبیہ متعین ہو جائے؟ کیا مصدر بمعنی للفاعل نہیں ہوا کرتا؟ اور کیا اس طرح نور بمعنی منور نہیں ہو سکتا؟ کیا مجاز مرسل کے طور پر لفظِ نور کا استعمال ممکن نہیں؟ افسوس عامر صاحب نے اپنے جنون کے جوش میں خدائے قدوس کی بے مثلی کی شان کو بھی نسیاً منسیا کر دیا اور ان کے ذہن میں نور کے صرف ایک طبعیاتی معنی خلش پیدا کر رہے ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ لفظِ نور کتنے معنی میں مستعمل ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ نور کا استعمال تمثیل وتشبیہ سے دُور کا تعلق بھی نہیں رکھتا۔ آیئے ہم آپ کو بتائیں کہ لفظِ نور کے مندرجہ ذیل معانی کتب وتفاسیر میں مرقوم ہیں:

(۱) النور فی اللغۃ الضیاء۔ ''نور لغت میں روشنی کو کہتے ہیں''

(٢) قالت الفلاسفة النور اجسام صغار تنفصل عن المضئی و تتصل بالمستضئی۔

''فلاسفہ نے کہا ''نور'' ایسے چھوٹے چھوٹے اجسام ہیں جو (کسی) روشن چیز سے جدا ہو کر روشنی حاصل کرنے والے سے متصل ہو جاتے ہیں۔''

(٣) النور عرض من الکیفیات المحسوسۃ۔

''نور کیفیاتِ محسوسہ میں سے ایک عرض ہے''۔

(٤) النور غنی عن التعریف کسائر المحسوسات۔

''نور باقی محسوسات کی طرح تعریف سے مستغنی ہے''۔

(٥) النور کمال اوّل للشفاف من حیث انہٗ شفاف۔

''نور کمال اوّل ہے کسی شفاف چیز کے لیے اس حیثیت سے کہ شفاف ہے۔''

(٦) النور کیفیتہ لا یتوقف الابصار بھا علی الابصار بشئی اٰخر تعریف بما ھو اخفی۔

''نور ایک ایسی کیفیت ہے جس کا دیکھنا کسی دوسری چیز کے دیکھنے پر موقوف نہیں''۔

(٧) النور نفس ظھور اللون۔

''نور، کسی چیز کے نفس ظہورِ رنگ کو کہتے ہیں''۔

(٨) النور مغائر النفس ظھور اللون۔

''نور، نفسِ ظہورِ رنگ کے (ساتھ بعض اوصاف میں مشترک ہونے کے باوجود اس کے) مغائر کو کہتے ہیں''۔

(٩) النور الظاھر بذاتہ والمظھر لغیرہ۔

''نور ایسی چیز کو کہتے ہیں جو اپنی ذات سے ظاہر ہو اور اپنے غیر کو ظاہر کرنے والی ہو''۔

(١٠) النور نور عقلی۔

''نور، عقلی روشنی کو بھی کہتے ہیں (علم وہدایت، ایمان وعرفان وغیرہ تمام انوارِ عقلیہ اس میں شامل ہیں)

(۱۱) النور نور نفسی۔

''نور کے معنی نور نفسی بھی آتے ہیں''۔

(۱۲) النور نور جسمی۔

''نور، جسمی روشنی کو بھی کہا جاتا ہے''۔

(۱۳) النور موجد۔

''نور، موجد (ایجاد کنندہ) کو بھی کہتے ہیں۔

(۱۴) النور الظهور بنفسه والاظهار لغيرة۔

''نور، خود بخود ظاہر ہونے اور اپنے غیر کو ظاہر کرنے کے (لازمی) معنی میں بھی آتا ہے''۔

(۱۵) النور منزه من كل عيب ومن ذلك قولهم امرأة نوار ای برئيته من الربية بالفحشاء۔

''نور کے معنی ''ہر عیب سے منزّہ'' اسی سے عرب کا منقولہ ہے ''امرأة نوار'' یعنی یہ عورت بے حیائی کے کاموں کے شک وشبہ سے پاک ہے۔''

(۱۶) النور منور۔

''نور کے معنی روشن کرنے والے کے بھی آتے ہیں''۔

(۱۷) نور نوّر فعل ماضی بدلیل والارض بالنصب۔

''آیت کریمہ ''الله نور السمٰوات'' میں نوّر فعل ماضی ہے جس کے معنی ہیں روشن کر دیا، اس کی تائید اسی آیت میں (ایک قرأة کے مطابق) ''والارض'' کے نصب سے ہوتی ہے''۔

ان تمام معنی کا ماخذ روح المعانی کے حسب ذیل اقتباسات ہیں:

روح المعانی پ ۱۸، ص ۱۴۴ (مطبوعہ بیروت، ص ۱۵۹) پر ''الله نور

السمٰوات والارض" کے تحت مرقوم ہے۔

(۱) النور فی اللغة علی ما قال ابن سکیت الضیاء۔

"نور" لغت میں ابن سکیت کے قول کے موافق ضیاء (روشنی) ہے"۔

(۲) واعلم ان الفلاسفه اختلفوا فی حقیقة النور فمنهم من زعم انه اجسام صغار تنفصل عن المضئی وتتصل بالمستضئی۔

(تفسیر روح المعانی، پ ۱۸، ص ۱۴۵)

"جاننا چاہیے کہ فلاسفہ نے نور کی حقیقت میں اختلاف کیا اور ان میں سے بعض نے گمان کیا کہ نور چھوٹے چھوٹے اجسام ہیں جو کسی روشن چیز سے جدا ہو کر روشنی حاصل کرنے والی چیز سے متصل ہو جاتے ہیں"۔

(تفسیر روح المعانی، پ ۱۸، ص ۱۴۵۔ مطبوعہ بیروت، ص ۱۶۰)

(۳) وذهب بعضهم الی انه عرض من الکیفیات المحسوسة وقالوا هو غنی عن التعریف کسائر المحسوسات وتعریفه بانه کمال اول للشفاف من حیث انه شفاف او بانه کیفیة لا یتوقف الابصار بها علی الابصار بشی اٰخر تعریف، بما هو اخفی وکان المراد به التنبیه علی بعض خواصه ومن هؤلاء من قال انه نفس ظهور اللون ومنهم من قال بمغائر تهما۔

(تفسیر روح المعانی، ص ۱۴۵۔ مطبوعہ بیروت، ص ۱۶۱)

"بعض فلاسفہ اس طرف گئے کہ نور عرض ہے اور کیفیاتِ محسوسہ میں سے ہے، اور انہوں نے کہا کہ وہ تعریف سے بے نیاز ہے، جیسے باقی محسوسات تعریف سے بے نیاز ہیں، اور اس کی یہ تعریف کہ وہ کمال اوّل ہے کسی شفاف چیز کا اس حیثیت سے کہ وہ شفاف ہے یا وہ ایک ایسی کیفیت ہے جس کا دیکھنا کسی دوسری شئے کے دیکھنے پر موقوف نہیں، نور کی یہ تعریف ایسی چیز کے ساتھ ہے

جواس سے زیادہ خفی اور پوشیدہ ہے (حالانکہ تعریف اجلیٰ اور اظہر کے ساتھ ہونی چاہیے) یہ تعریف دراصل تعریف نہیں بلکہ نور کے خواص میں سے اس کی بعض خاصیتوں پر تنبیہ ہے، اور ان ہی لوگوں میں سے بعض نے کہا کہ وہ نور، رنگ کے نفس ظہور کا نام ہے، اور بعض نے اُن دونوں کی مغائرت کا قول کیا۔''

(تفسیر روح المعانی، پ ۱۸، ص ۱۴۵)

(۴) ولهم فی النور اطلاق اٰخر وهم الظاهر بذاته والمظهر لغیره وقالوا هوا بهٰذا المعنی مسا وللوجود بل نفسه فیکون حقیقته بسیطة کالموجود منقسماً کانقسامه فمنه نور واجب لذاته قاهر علی ماسواه ومنه انوار عقلیة و نفسیة وجسمیة والواجب تعالیٰ نور الانوار۔ الخ

(تفسیر روح المعانی، ص ۱۴۷۔ مطبوعہ بیروت، ص ۱۶۳)

''اور فلاسفہ کے لیے نور میں ایک اور اطلاق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ نور ایسی چیز ہے جو خود اپنی ذات سے ظاہر ہو، اور اپنے غیر کو ظاہر کرنے والی ہو، اور انہوں نے کہا کہ وہ اس معنی میں ''وجود'' کا مساوی ہے بلکہ نفس وجود ہے تو اس صورت میں نور وجود کی طرح حقیقۃً بسیط ہوگا اور وجود کی طرح اس کی بھی تقسیم ہوگی تو اس میں سے ایک نور واجب لذات کا ہے جو اپنے ماسوا پر غالب ہے اور اس میں سے انوارِ عقلیہ ہیں اور بعض اس میں سے انوارِ نفسیہ اور جسمیہ ہیں اور واجب تعالیٰ نور الانوار ہے''۔ الخ

(تفسیر روح المعانی، ص ۱۴۷)

(۵) اذا علمت هذا فاعلم ان اطلاق النور علی الله سبحانه وتعالیٰ بالمعنی اللغوی والحکمی السابق غیر صحیح لکمال تنزهه جل وعلا عن الجسمیة والکیفیة ولوازمهما واطلاقه علیه سبحانه بالمعنی المذکور وهوا الظاهر بذاته

والمظهر لغيره قد جوزه جماعة منهم حجة الاسلام الغزالی۔

(تفسیر روح المعانی، پ۱۸، ص ۱۴۷)

''جب یہ بات معلوم ہوگئی تو آپ جاننا چاہیے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ پر لفظ نور کا اطلاق باعتبار معنی لغوی اور حکمی کے جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں کسی طرح صحیح نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ جسمیت اور ہر قسم کی کیفیت اور ان کے تمام لوازمات سے کامل طور پر منزہ ہے اور اللہ تعالیٰ پر باعتبار معنی مذکور "ظاهر بذاته مظهر لغيره" کے لفظ نور کا اطلاق ایک جماعت نے جائز رکھا ہے۔ ان میں سے حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں''۔

(تفسیر روح المعانی، پ۱۸، ص ۱۴۷)

(۶) وجوز بعض المحققين كون المراد من النور فى الاية الموجد كانه قيل الله: موجد السمٰوات والارض ووجه ذٰلك بانه مجاز مرسل باعتبار لازم معنى النور وهو الظهور فى نفسه اظهاره لغيره۔

(تفسیر روح المعانی، پ۱۸، ص ۱۴۸۔ مطبوعہ بیروت، ص ۱۶۴)

''اور بعض محققین نے آیت کریمہ اللہ نور السمٰوات میں نور سے موجد کا مراد ہونا جائز قرار دیا ہے۔ گویا اس آیت کریمہ میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا موجد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ مجاز مرسل ہے باعتبار لازم معنی نور کے جو ظہور فی نفسہ اور اظہار لغیرہ ہے (یعنی خود بخود ظاہر ہونا اور اپنے غیر کو ظاہر کرنا)''۔

(تفسیر روح المعانی، پ۱۸، ص ۱۴۸)

(۷) وقيل المراد به المنزه من كل عيب ومن ذٰلك قولهم امرأة نوار اى برئية من الريبة بالفحشاء۔

(تفسیر روح المعانی، پ۱۸، ص ۱۴۸۔ مطبوعہ بیروت، ص ۱۶۴)

''ایک قول یہ بھی ہے کہ لفظِ نور سے مراد (کبھی) ہر عیب سے منزہ ہوتا ہے، اور اسی سے اہلِ عرب کا یہ مقولہ ہے "امرأۃ نوار" یعنی یہ عورت بے حیائی کے کاموں کے شک وشبہ سے پاک ہے۔''

(تفسیر روح المعانی، پ ۱۸، ص ۱۴۸)

(۸) وقیل نور بمعنی منور وروی ذٰلك عن الحسن وابی العالیه والضحاك وعلیه جماعة من المفسرین ویؤیده قرأة بعضهم منور و کذا قراة علی کرم الله وجههٗ وابی جعفر وعبدالعزیز المکی وزید ابن علی وثابت ابن ابی حفصة والقور صی ومسلمة ابن عبد الملك وابی عبد الرحمن السلمی وعبدالله بن عباس ابن ابی ربیعة نور فعلا ماضیاً والارض بالنصب۔

(روح المعانی، پ ۱۸، ص ۱۴۸)

" آیت کریمہ الله نور السمٰوات میں ایک قول یہ ہے کہ یہاں نور بمعنی منور ہے یعنی روشن کرنے والا۔ یہ مروی ہے حسن بصری سے، ابوالعالیہ سے اور ضحاک سے اور اسی قول پر مفسرین کی ایک جماعت ہے اور تائید کرتی ہے اس قول کی اس آیت میں بعض علماء کی قرأت "الله منور السمٰوات"، اسی طرح اس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابوجعفر، عبدالعزیز مکی، زید بن علی، ثابت بن ابی حفصہ، قورصی، مسلمہ بن عبدالملک، ابو عبدالرحمن السلمی اور عبداللہ بن عباس ابن ابی ربیعہ نے نَوَّرَ فعل ماضی اور الارض کو نصب (زبر) کے ساتھ پڑھا''۔

(روح المعانی، پ ۱۸، ص ۱۴۸)

عامر صاحب ذرا سوچیں کہ قرآن کریم کی جس آیت (الله نور السمٰوات الآیة) کے لفظ ''نور'' کو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے معاذ اللہ تمثیل وتشبیہ قرار دے رہے ہیں اس کے سترہ

معنی منقولہ میں سے ایک معنی بھی انہیں ایسے نظر نہ آئے جنہیں تمثیل وتشبیہ کے بغیر مراد لیا جا سکے؟ کیا خدائے قدوس کے حق میں تمثیل وتشبیہ کا لفظ استعمال کرتے ہوئے انہیں ذرا بھی خوفِ خدا محسوس نہیں ہوا؟ مفسرین کرام کی تصریحاتِ جلیلہ منقولہ بالا میں انہیں یہ نظر نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ سماتِ حدوث اور صفاتِ مخلوقہ سے منزہ ہے اور مثل وشبہ سے پاک اور تمثیل و تشبیہ سے مقدس ہے۔

شاید عامر صاحب کو بعض تفاسیر میں یہ دیکھ کر مغالطہ ہو گیا کہ (اللہ نور السمٰوات) اللہ تعالیٰ کے نور کی مثل ہے، اس لیے انہوں نے تمثیل وتشبیہ کو اللہ تعالیٰ کے لیے درست سمجھ لیا، اس مغالطہ کو دُور کرنے کے لیے انہیں ''مفرداتِ امام راغب'' کی حسب ذیل عبارت کو غور سے پڑھنا چاہیے جس میں ان کے مغالطہ کو جڑ بنیاد سے اُکھاڑ کر پھینک دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے تمثیل وتشبیہ سے مبرّہ ومنزّہ ہونے کو آفتاب سے زیادہ روشن کر کے دکھایا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

"والتمثال" الشئی المصور... والمثل عبارةٌ عن قول فی شئی یشبه قولاً فی شئی آخر بینهما مشابهةٌ لیبین احدهما الاخر ویصوره... والمثل یقال علی وجهین احدهما بمعنی المثل نحو شبه وشَبَه ونِقضٍ ونَقضٍ. قال بعضهم وقد یعبر بهما عن وصف الشئی نحو قوله (مثل الجنة التی وعد المتقون) والثانی: عبارة عن المشابهة لغیره فی معنی من المعانی ای معنی کان وهو اعم الالفاظ الموضوعة للمشابهة وذٰلك وذٰلك ان الندّ یقال فیما یشارك فی الجوهر فقط. والشبه یقال فیما یشارك فی الکیفیة فقط. والمساوی یقال فیما یشارك فی الکمیة فقط. والشکل فیما یشارکه فی القدر والمساحة فقط. والمثل عام فی جمیع ذٰلك ولهٰذا لما اراد الله تعالیٰ نفی التشبیه من کل وهه خصه بالذ کر فقال

(لیس کمثله شئی)، واما الجمع بین الکاف والمثل فقد قیل ذٰلک لتاکید النفی تنبیهاً علی انه لا یصح استعمال المثل ولا الکاف فنفی بلیس الامرین جمیعاً وقیل المثل ھھنا ھو بمعنی الصفة ومعناه لیس کصفته صفة تنبیهاً علی انه وان وصف بکثیر مما یوصف به البشر فلیس تلك الصفات لهٗ علی حسب مایستعمل فی البشر"۔

"تمثال" شئ مصور کو کہتے ہیں "مَثَل" عبارت ہے قول سے کسی شئے میں جو مشابہ ہو قول کے شئ آخر میں کہ ان دونوں کے درمیان مشابہت ہوتا کہ ایک دوسرے کو بیان کردے اور اسے مصور کردے اور "مَثَل" کا استعمال (مزید) دو طریقوں پر بھی ہوتا ہے، ایک مثل کے معنی میں جیسے شِبْہٌ و شَبَہٌ اور نِقْضٌ و نَقْضٌ، بعض نے کہا ان دونوں کے ساتھ کبھی وصف شئے کو بھی تعبیر کردیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول مثل الجنة التی وعد المتقون، اور دوسرے طریقہ پر اس طرح کہ لفظ مَثَل عبارت ہوتا ہے اپنے غیر کے ساتھ مشابہت سے معانی میں سے کسی معنی میں بھی کیوں نہ ہو، اور وہ مشابہت کے معنی میں ان تمام الفاظ سے اعم ہے جو مشابہت کے معنی کے لیے وضع کیے گئے ہیں مثلاً لفظ نِدّ کا استعمال صرف ان چیزوں میں ہوتا ہے جو فقط جوہر میں باہم شریک ہوں اور "شبه" کا اطلاق اِن اشیا پر ہوتا ہے جو صرف کیفیت میں باہم مشارک ہوں اور لفظ "مساوی" کا استعمال صرف ان چیزوں میں ہوتا ہے جو فقط مقدار میں شریک ہوں، اور "شکل" کا لفظ وہاں بولا جاتا ہے جہاں دو چیزیں صرف اندازے اور پیمائش میں مشارک ہوں، اور لفظ "مِثل" ان سب میں عام ہے، یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے (اپنی ذاتِ مقدسہ سے) من کل وجه (ہر طرح سے تشبیہ) کی نفی کا ارادہ فرمایا تو اسی لفظ "مِثل" کو ذکر کے ساتھ خاص کیا اور فرمایا لیس

کمثلہ شئی، رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مثل کے ساتھ کاف تشبیہ کو کیوں جمع فرمایا تو بعض نے اس کا جواب دیا کہ تاکیدِ نفی کے لیے ایسا کیا، گویا اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمثیل وتشبیہ سے ایسا پاک ہے کہ اس کے حق میں لفظِ مثل کا استعمال جائز ہے نہ کہ کاف تشبیہ کا، لہٰذا لیس کے ساتھ کاف تشبیہ اور مثل دونوں کی نفی فرمادی اور ایک قول یہ بھی ہے کہ لفظ مثل یہاں صفت کے معنی میں ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کی طرح کوئی صفت نہیں اور اس کا مقصد اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ اگرچہ (قرآن مجید میں) اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے بکثرت موصوف کیا گیا ہے جن سے بشر موصوف کیے جاتے ہیں (جیسے سمع، بصر، علم، رحم، ید، وجہ وغیرہا) لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے لیے ان صفات کا استعمال ایسا نہیں جیسے بشر کے حق میں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ تمثیل وتشبیہ سے مطلقاً پاک ہے اور اس ذات وصفات کی مثل کوئی شئی اور کسی کی صفت نہیں ہوسکتی"۔

(مفردات امام راغب اصفہانی، ص ۴۷۸)

اقتباسات وعباراتِ مرقومہ بالا سے عامر صاحب کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور ان پر یہ امر واضح ہوجانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تمثیل وتشبیہ سے پاک ہے اور مَثَلُ نُورِہٖ میں لفظ مَثَل سے صفت مراد ہے اور بس۔ عامر صاحب تو اپنے آپ کو عالمِ دین تصور کرتے ہیں، میرے نزدیک تو کوئی ادنیٰ درجے کا معمولی پڑھا لکھا مسلمان بھی آیت کریمہ سے اللہ تعالیٰ کے لیے تمثیل وتشبیہ کے معنی نہیں سمجھ سکتا۔

اس کے بعد عامر صاحب کی علمی قابلیت کا ایک ایسا بے مثل وبے نظیر نمونہ ناظرین کرام کو ہم دکھاتے ہیں جو ان کے خصوصیات سے ہے اور وہ یہ کہ ایک طرف تو لفظ نور کو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمثیل وتشبیہ کے اسلوب پر قرار دیتے ہیں جیسا کہ ابھی تفصیل سے گزر چکا ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کو خود حقیقی اور واقعی نور تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اسی بیان میں آیت کریمہ "وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا" الآیۃ لکھ کر ارقام فرماتے ہیں:

"یہاں اللہ جل شانہ نے خود اپنے نورِ مقدس کا ذکر فرمایا ہے وہ چونکہ واقعی بہمہ وضوہ وہ نور ہی نور ہیں اس لیے لفظ کو اس کے حقیقی و وضعی معنی پر محمول کرنے میں کوئی دقت نہ ہوگی"۔ (ماہنامہ تجلی، بابت مای جون ۱۹۶۰ء، ص ۵۳)

اقول: دروغ گورا حافظہ نہ باشد، ابھی تو لفظِ نور کو اللہ تعالیٰ کے لیے بطور تمثیل وتشبیہ مانا تھا اور ابھی اتنی جلدی اللہ تعالیٰ کو واقعی اور حقیقی نور کہہ کر ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے اسی لفظِ نور کو حقیقی اور وضعی معنی میں تسلیم کرلیا۔ عامر صاحب کی اس تضاد بیانی پر سخت حیرت اور تعجب ہے، انہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ کوئی لفظ اپنے حقیقی اور وضعی معنی میں تمثیل وتشبیہ کے طور پر استعمال نہیں کیا جاتا۔ مثلاً لفظ اسد کے حقیقی وضعی معنی شیر اور حیوانِ مفترس کے ہیں تو اس لفظ کو شیر کے معنی میں تمثیل وتشبیہ کے طور پر استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ تمثیل وتشبیہ غیر ماوضع لہٗ میں ہرگز تمثیل وتشبیہ کے لیے استعمال نہیں ہوا کرتا، لیکن عامر صاحب نے کمال کر دکھایا کہ وہ ایک ہی لفظ نور کو اللہ تعالیٰ کے لیے تمثیل وتشبیہ کے طور پر بھی قرار دیتے ہیں اور اسی کو ماوضع لہٗ میں بھی مستعمل مانتے ہیں۔ ع ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے

عامر صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مقدسہ سے حسّی نورانیت کی نفی کے جوش میں قرآن کریم کی بکثرت آیات نقل فرمادیں، میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے انہیں کیا فائدہ پہنچا، بجز اس کے کہ انہوں نے اپنے خیال میں یہ سمجھ لیا کہ اور کچھ نہ سہی مگر پڑھنے والا اتنا تو ضرور اثر لے گا کہ کاظمی کے پیش کردہ دلائلِ کثیرہ کے جواب میں عامر صاحب نے اتنی آیاتِ قرآنیہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تاریک سایہ ثابت کر دیا۔

رہا یہ امر کہ شرع (نہیں بلکہ فقہ) ان کے اس کارنامہ کو عذاب وثواب کے کس خانہ میں رکھے گی؟ تو ہمیں اس سے سروکار نہیں، ہم تو صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عامر صاحب نے اس مقام میں دین و دیانت اور علم وعقل سے یکسو ہو کر محض اپنی ملاہٹ کا مظاہرہ فرمایا ہے۔

اس کا کون منکر ہے کہ عربی محاورات اور قرآن وحدیث میں استعارات مستعمل نہیں ہوتے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک لفظ اگر کسی جگہ بطور استعارہ استعمال ہوا ہے تو وہ ہر جگہ استعارہ ہی قرار پائے۔ عامر صاحب نے لفظِ نور کو استعارہ ثابت کرنے کے لیے جتنی

آیات پیش کی ہیں ان میں بعض وہ آیات بھی نقل کردیں جن میں لفظِ نور استعارہ نہیں بلکہ حِسّی اور حقیقی روشنی کے معنی میں مستعمل ہے۔

دیکھیے عامر صاحب نے اپنی منقولہ آیات کے ذیل میں مندرجہ ذیل دو آیتیں تحریر فرمائی ہیں اور دعویٰ کیا ہے کہ اس میں لفظِ نور استعارہ ہے، حالانکہ ان کا یہ دعویٰ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے، جیسا کہ ہم اس کا ثبوت پیش کریں گے، پہلی آیت اور اس کے متعلق عامر صاحب کا دعویٰ ملاحظہ فرمائیے:

''يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ'' پ ۲۷

''جس دن تو دیکھے گا مومن مرد و زن کو اس حال میں کہ دوڑتی ہوئی چل رہی ان کے آگے اور دائیں بائیں روشنی خوشخبری تم کو آج کے دن باغوں کی کہ ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں سدا رہو اُن میں، یہی تو ہے عظیم کامیابی''۔

یہاں بھی ''نور'' کو استعارہ ہی ماننا پڑے گا۔

(تجلی، ماہ جون ۱۹۶۰ء، ص ۵۲)

اقول: اگر آپ زبردستی منوانا چاہتے ہیں تو آپ کی بات وہی مانے گا جس پر آپ کی زبردستی چل سکے، اور اگر دلیل سے ماننے کی بات ہو تو پھر ہماری بات آپ کو ماننا پڑے گی کہ لفظ ''نور'' یہاں استعارہ نہیں بلکہ اپنی حقیقت پر ہے، دیکھیے تفسیر روح المعانی میں اسی آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

''(یوم تری المومنین والمومنات) والرؤیة بصریة''

''(جس دن تو دیکھے گا ایمان والے مرد و زن کو) اور یہ رویت بصریہ ہے یعنی آنکھ سے دیکھنا مراد ہے''۔

اس کے بعد صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

''(یسعیٰ نورھم) حال من مفعول (تری) والمراد بالنور

حقيقة على ماظهر من شموس الاخبار واليه ذهب الجمهور والمعنى يسعى نورهم اذاسعوا"۔ انتہی

(روح المعانی، پ ۲۷، ص ۲۵۱)

"(دوڑتی ہوئی جارہی ہے ان کے آگے دائیں بائیں روشنی) یہ جملہ حال ہے مفعول سے اور "نور" (استعارہ نہیں بلکہ) اس کی حقیقت مراد ہے، جیسا کہ روایات واخبار کے چمکتے ہوئے سورجوں سے یہ بات ظاہر اور اسی کی طرف جمہور گئے ہیں اور معنی یہ ہیں کہ مومنین ومومنات جب دوڑیں گے تو ان کی روشنی ان کے آگے اور دائیں بائیں دوڑتی ہوگی"۔ انتہی

(روح المعانی، پ ۲۷، ص ۲۵۱)

کس قدر واضح الفاظ میں صاحبِ روح المعانی نے روایات واخبار کے چمکتے ہوئے سورجوں کی روشنی میں فرمایا ہے کہ یہاں لفظِ نور استعارہ نہیں بلکہ اپنی حقیقت پر ہے اور اس نور سے حسّی روشنی مراد ہے۔

عامر صاحب! خدا لگتی کہیے، اس آیت میں اَب بھی استعارہ منوائیں گے؟

دوسری آیت عامر صاحب نے اس طرح لکھی:

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِن نُّورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُوراً۔

(پ ۲۷، آیت ۱۳)

"جس دن کہیں گے منافق مرد وزن مومنوں سے کہ ہمارا انتظار کرو ہم بھی تمہارے نور سے روشنی لیں گے، کہا جائے گا کہ لوٹ جاؤ پیچھے پھر ڈھونڈ لو روشنی"۔

اس کے بعد چند آیات لکھ کر تمام منقولہ آیات میں استعارہ کی رَٹ لگاتے ہوئے عامر صاحب لکھتے ہیں:

"جب قرآن کی اتنی بہت سی نظیریں آپ کے سامنے آگئیں تو انصاف کیجیے کہ ایک آیت سے نور کے معنی محمد رسول اللہ لینا اور پھر تعبیر واستعارہ کے

حدود پھلانگ کر پورے قرآن سے آنکھیں پھیر کر زبان وادب کے معلوم و معروف تقاضے نظر انداز کر کے جسدِ رسول کا سایہ غائب کر دینا تلعب القرآن اور دھاندلی نہیں تو اور کیا ہے؟''

(تجلی، جون ۱۹۶۰ء، ص ۵۳)

اقول: عامر صاحب! مسائل کے لیے پہلے دلائل درکار ہیں، اس کے بعد نظائر پیش کیے جاسکتے ہیں، مگر آپ نے دلائل سے اعراض فرما کر محض نظائر سے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کی سعی ناتمام کی ہے، پھر اس میں بھی آپ کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ جن آیات میں لفظ ''نور'' استعارہ نہ تھا انہیں بھی آپ نے استعارہ قرار دے دیا، پہلی آیت پر کلام کر چکا ہوں۔ اس دوسری آیت کی تفسیر بھی روح المعانی میں ملاحظہ فرمالیجیے اور دیکھیے کہ یہاں لفظِ نور استعارہ ہے یا حسّی حقیقی نور کے معنی میں مستعمل ہے، دیکھیے صاحب روح المعانی اس دوسری آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

''لانهم اذا نظروا اليهم استقبلوهم بوجوههم والنور بين ايديهم فيستضيئون به''۔

(تفسیر روح المعانی، پ ۲۷، ص ۲۵۲)

''مومن جب منافقین کی طرف دیکھیں گے تو مومنین کے آگے نور ہوگا جس کی روشنی سے منافق روشن ہو جائیں''۔

کیوں عامر صاحب! مومنین کی جس روشنی سے منافقین ضیا حاصل کریں گے وہ حسّی حقیقی نور نہ ہوگا تو منافقین کا اس سے ضیا حاصل کرنا اور روشن ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ ثابت ہوا کہ اس آیت میں نور سے حقیقی حسّی نور مراد ہے استعارہ نہیں۔

رہا یہ امر کہ آپ نے آیت کریمہ قد جاء کم من الله نور میں لفظ ''نور'' سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مراد لینا اور حضور علیہ السلام کی نورانیت کو حضور علیہ السلام کے بے سایہ ہونے کی دلیل سمجھنا تلعب بالقرآن قرار دیا ہے اور اسے دھاندلی کہا ہے تو آپ کا یہ فتویٰ عبداللہ بن عباس سے لے کر جلال الدین سیوطی تک تمام اعلام اُمت پر چسپاں ہوتا ہے، نہ صرف یہ بلکہ

آپ کے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی متعلب بالقرآن اور دھاندلی کرنے والے قرار پاتے ہیں جیسا کہ ہم ان کی مفصل عبارت سے پہلے نقل کر چکے ہیں۔

اَب استعارہ کی اس بحث میں حرف آخر کے طور پر آپ کے مسلم علما مفسرین میں سے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی ایک عبارت تفسیر مظہری سے پیش کرتا ہوں۔

قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کی منقولہ آیت کریمہ "اللہ نور السموات" میں مثل نورہ کمشکوٰۃ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قال کعب ھذا مثل ضربہ اللہ لنبیہ ﷺ"

"حضرت کعب نے فرمایا "مثل نورہ کمشکوٰۃ" میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی مثل بیان فرمائی ہے"۔ (تفسیر مظہری، جلد ۶، ص ۵۲۴)

آگے چل کر اسی آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضور سیّد عالم ﷺ کے چہرۂ انور کی حِسّی حقیقی روشنی کا بیان فرماتے ہیں، سنئے:

"وفی شمائل محمدیہ قالت حلیمہ ما کنا نحتاج الی سراج من یوم اخذناہ لان نور وجھہ کان انور من السراج فاذا احتجنا الی اسراج فی مکان جئنابہ فتنورت الاَمکنہ ببرکتہ ﷺ"۔ انتہی (تفسیر مظہری، جلد ۶، ص ۵۲۸)

"اور شمائلِ محمدیہ میں ہے حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، جس دن سے ہم نے حضور ﷺ کو لیا اس دن سے ہمیں چراغ کی حاجت نہ رہی اس لیے کہ حضور ﷺ کے چہرۂ انور کا نور چراغ سے زیادہ روشن تھا۔ چنانچہ جب کسی جگہ ہمیں چراغ کی ضرورت ہوتی تو وہاں ہم حضور ﷺ کو لے آتے اور اس مکان کی ہر جگہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے روشن ومنور ہو جاتی۔"

آپ تفسیر مظہری کے حوالے بہت دیا کرتے ہیں۔ ذرا یہ عبارت بھی اسی تفسیر مظہری میں ملاحظہ فرما لیتے تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مثل نورہ فرما کر جو لفظ

نور اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ارشاد فرمایا ہے وہ استعارہ نہیں، بلکہ اس سے مراد حسّی اور حقیقی نور ہے جس کے ہوتے چراغ کی حاجت نہ رہے۔

آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں لفظ نور کو محض استعارہ قرار دینے کے لیے جتنے پاپڑ بیلے تھے تفسیر مظہری کی اس عبارت نے ان سب پر پانی پھیر دیا، اور اس حقیقت کو آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نورانیت صرف علم وہدایت میں منحصر نہیں بلکہ حسّی حقیقی روشنی کو بھی شامل ہے۔

اے کاش عامر صاحب ٹھنڈے دل سے غور فرماتے کہ ان جلیل القدر مفسرین کی روشن تصریحات کے ہوتے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نورانیت کا انکار قرآن واسلام اور فضائل ومناقب مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ استہزا اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔

السعید کے ظل نمبر میں دلائل کے انبار نے منکرین کی ایسی کمر توڑی کہ انہیں سیدھا ہونے کی ہمت نہ ہوسکی۔ عامر صاحب از راہِ عناد کچھ بھی کہیں لیکن بالآخر انہیں ہمارے دلائل کے وزن کا اعتراف کرنا ہی پڑا۔

انہوں نے اس حقیقت کو اچھی طرح محسوس کرلیا کہ نفی الظل کے دلائل نے ان کی ساری محنت برباد کردی اور بزعم خویش نفی الظل کے عقیدہ کی جو بیخ کنی انہوں نے کی تھی وہ سب اکارت ہوگئی، چنانچہ وہ خود تجلی میں ارقام فرماتے ہیں:

"ہمارا دل نہیں مانتا کہ دلائل کا جو انبار منکرین ظل نے جمع کر دیا ہے اسے یوں ہی چھوڑ دیں، اگر یوں ہی چھوڑ دیا تو بیخ کنی کا وہ عمل جو ہمارے گزشتہ اجمالی نقد نے انجام دیا تھا بیکار چلا جائے گا"۔

(تجلی، دیوبند، بابت جولائی ۱۹۶۰ء، ص ۲۶)

اَب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے دلائل کے انبار کو عامر صاحب نے ہاتھ لگایا ہے یا محض جھنجھلا کر چند طنزیہ فقرے کس دیئے اور جواب کے میدان سے دامن بچا کر چلتے نظر آئے۔

ناظرین کرام پر ظاہر ہے کہ نفی الظل کے دلائل کے انبار کو ہاتھ لگانا تو درکنار، عامر صاحب اس کے قریب سے ہو کر بھی نہیں گزرے، بلکہ اسی گزشتہ اجمالی نقد کو نقل کر کے وہی

پرانا راگ دوبارہ الاپتے ہوئے اس حقیقت کو تسلیم کرلیا کہ:

''بیخ کنی کا وہ عمل جو ہمارے گزشتہ اجمالی نقد نے انجام دیا تھا بیکار چلا گیا''

قسط اوّل میں تفسیروں کے اکیس، بائیس حوالوں پر عامر صاحب کو بہت ناز ہے، ناظرین کرام نے ان کی حقیقت ہمارے جواب کی گزشتہ قسطوں میں بخوبی معلوم کرلی ہوگی جن میں عامر صاحب کی خوش فہمیوں اور تعلیوں کو پوری طرح بے نقاب کردیا گیا ہے۔

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی بحث میں عامر صاحب شرک وتوحید اور افراط وغلو کے الفاظ بار بار لاتے ہیں، جس سے قارئین کے اذہان میں وہ یہ تاثر پیدا کرنے کے درپے ہیں کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمانی سایہ کو تسلیم نہ کرنا شرک وغلو اور افراط ہے اور اسے مان لینا خالص توحید، لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اس مسلک کو شرک اور افراط وغلو قرار دینے سے خود ان کے اکابر واسلاف حتیٰ کہ حضرت مجدد الف ثانی اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں جن کی مفصل عبارت مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، ص ۱۸۷ اور امداد السلوک، ص ۸۵، ۸۶ سے ہم السعید کے صفحات میں نقل کرچکے ہیں، اور عامر صاحب جب تک اس کے جواب سے ساکت وصامت ہیں۔

پھر تعجب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جسمانی سایہ سے معریٰ تسلیم کرنا عامر صاحب کے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بڑھانے چڑھانے کے مساوی کیونکر قرار پا گیا۔ عیسائی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معاذ اللہ ابن اللہ اور اِلٰہ مانتے تھے، کیا جسمانی سایہ نہ ہونا بھی عامر صاحب کے نزدیک الوہیت ہے۔ اگر اس کو الوہیت مان لیا جائے تو وہ تمام خلائق لطیفہ معاذ اللہ وصفِ الوہیت سے متصف قرار پائیں گی جو سایہ نہیں رکھتیں، کیا کسی مومن وموحد کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے؟

رہا یہ امر کہ ''جھوٹی حدیثیں جو عقل کے نزدیک بھی قابلِ قبول نہ ہوں کسی طرح لائق احتجاج نہیں ہوسکتیں اور ایسی خلافِ عقل وضعی روایات کو مان لینا محبت رسول نہیں بلکہ جہالت وغلو ہے''، یقیناً درست اور صحیح ہے اور ہم بھی اسے تسلیم کرتے ہیں، لیکن غیر موضوع کو موضوع کہنا، سچ کو جھوٹ بتانا اور معقول کو غیر معقول کہہ دینا بھی انتہائی جہالت اور پرلے

درجے کی نامعقولیت ہے، کج فہمی کو عقل سمجھ لینا نادانی اور کم عقلی نہیں تو اور کیا ہے؟

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضائل و محامد کے دلائل کو کذبِ محض اور خلاف عقل کہہ دینا کس قدر جرأت اور بے باکی ہے۔ (العیاذ باللہ)

کتب صحاح سے ہماری پیش کردہ احادیث (جن سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حسّی اور حقیقی نورانیت روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے) کے جواب سے عاجز ہو کر عامر صاحب نے ہتھیار ڈال دیئے اور تسلیم کر لیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حسّی اور ظاہری نور سے خالی نہ تھے، دیکھیے وہ تجلی میں لکھتے ہیں:

> ''اس تمہید کے بعد یہ خوب ذہن نشین رکھیے کہ اختلاف کیا ہے، ہم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہر قسم کے نورِ حسّی و ظاہری سے بالکل خالی تھے، آپ کے چہرے پر جس حسن و جمال اور طلعت و تابانی کا تذکرہ محدثین کرتے ہیں اس سے انکار کی کسے اور کیوں مجال ہے؟ یہ بھی ہم مانتے ہیں کہ بعض مرتبہ بعض حضرات نے آپ کے کسی عضو یا چند اعضا سے ایک ایسی روشنی خارج ہوتے دیکھی جو ان کے خیال میں حسّی اور مرئی تھی، یہ بھی ناممکن نہیں کہ باطنی علوم و معارف اور اعلیٰ درجہ کی نبوت منورہ کے نتیجے میں آپ کے جسدِ مطہر سے غیر معمولی نور و طلعت کا مشاہدہ کیا گیا ہو''۔

(تجلی، دیوبند، بابت جولائی ۱۹۶۰ء، ص ۲۷)

عامر صاحب نے اس عبارت میں ہمارے مسلک کو بے چون و چرا تسلیم کر لیا، یہ اور بات ہے کہ آگے چل کر وہ اس پر قائم رہیں یا نہ رہیں، لیکن ان کے رسالے کے پیش نظر اقتباس میں صاف مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے وجودِ اقدس میں نورِ حسّی و ظاہری موجود تھا۔ لیجیے کہ باطنی علوم و معارف و انوارِ نبوت حسّی و ظاہری نور کی صورت میں جسم اقدس سے محسوس و مشاہد ہوئے اور اعضائے مقدسہ سے اس کی روشنی کا نکلنا دیکھا گیا۔

اَب اس کے بعد ایک یا چند اعضا کی تخصیص اور بقیہ کی نفی اپنی بات کی اُپج نہیں تو کیا ہے؟ باوجودیکہ وہ اس نورِ حسّی کو باطنی علوم و معارف اور نبوت منورہ کی روشنی مان رہے ہیں اور

ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پوری ذاتِ مقدسہ وصفِ نبوت کے ساتھ متصف ہے، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک عضو یا چند اعضا میں نبوت کی صفت پائی جاتی تھی، باقی اعضائے مقدسہ اور وجودِ مبارکہ میں نبوت نہ تھی۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض اعضا میں وہ نور چمکے اور بعض بالکل بے نور رہیں، کیا عامر صاحب کے نزدیک یہ بھی ناموسِ فطرت کا مقتضا ہے؟

نیز اسی عبارت میں اس حقیقت کو بھی تسلیم کرلیا کہ جسم اقدس اتنا مصفیٰ اور شفاف تھا کہ اندرونی انوار اس سے باہر آتے اور دیکھنے والوں کو محسوس ہوتے تھے، کیونکہ غیر شفاف اور کثیف جسم سے اندرونی روشنی باہر نہیں آسکتی، لالٹین کی روشنی سے مکان اسی وقت منور ہوسکتا ہے کہ اس میں صاف شیشے کی چمنی رکھی جائے اور اگر چمکتے ہوئے راغ پر مٹی کا گھڑا اوندھا دیا جائے تو اس کی روشنی اس حال میں اسی طرح محسوس ومشاہد نہیں ہوسکتی۔

عامر صاحب یہ سب کچھ ہمارے دلائل سے مجبور ہوکر تسلیم کیا ہے ورنہ میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ ۱۹۶۰ء سے پہلے کسی اپنی تحریر کے حوالے سے بھی یہ ثابت نہیں کرسکتے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے اس قسم کی حسّی اور ظاہری نورانیت کو مانا ہے، جس کی روشنی جسم اقدس سے چمکتی ہوئی نظر آتی ہو۔

ہمارا مسلک

ہم نے آج سے پہلے بارہا کہا کہ ہم حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کو نور ماننے کے باوجود حضور علیہ السلام کی بشریتِ مطہرہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ ماہ نامہ السعید کے صفحات اور ہماری دیگر تصنیفات اس دعویٰ پر شاہد وعادل ہیں کہ ہم لوگ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نورانیت اور بشریت دونوں سے متصف مانتے ہیں۔ ہمارے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشریت و نورانیت مطہرہ عناصرِ اربعہ آگ، پانی، ہوا، مٹی سے مرکب ہے، لیکن خمیر جسدِ مبارک جو میاہِ جنت، کوثر و تسنیم اور سلسبیل کے پانی سے گوندھ کر تیار کیا گیا تھا، اتنا لطیف اور پاکیزہ تھا کہ تمام عنصری کثافتوں سے پاک اور صاف ہوکر اتنا شفاف ہوگیا تھا کہ نورِ محمدی کی شعائیں اس جسم اقدس سے چمکتی تھیں، جسے عامر صاحب نے بھی واضح طور پر پیش کردہ اقتباس میں تسلیم کرلیا ہے، اور ظاہر ہے کہ جسم شفاف میں جب نور چمک رہا ہو تو اس جسم کا سایہ نہیں پڑتا، خواہ

وہ جسم عنصری ہی کیوں نہ ہو۔ دیکھیے لالٹین کی چمنی، بجلی، گیس کا شیشہ بالکل مادی اور عنصری جسم ہے لیکن جب ان میں روشنی چمکتی ہے تو ان اجسام عنصری کے شفاف شیشوں کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا۔ عامر صاحب نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندرونی انوار کی روشنی کو جسم اقدس سے چمکتا ہوا محسوس ومشاہد تسلیم کرلیا تو اَب سایہ نہ ہونے کو تسلیم نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ سب کچھ مان کر یہ کہنا کہ:

"گفتگو اس نکتہ میں ہے کہ منکرین ظل کہتے ہیں کہ رسول اللہ کا پورا جسم مبارک طبعی وحقیقی معنوں میں نورِ مستقل تھا۔"

(تجلی، دیوبند، بابت جولائی ۱۹۶۰ء، ص ۲۷)

خلط مبحث اور حق پوشی کی اس سے واضح مثال شاید کہیں نہ مل سکے۔ ہم نے کب کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم مبارک طبعی اور حقیقی معنوں میں نور مستقل تھا، (اور اس میں عنصریت اور مادیت کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا تھا) ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

اقتباسِ بالا کو غور سے پڑھیے اور دیکھیے کہ عامر صاحب سب کچھ مان کر بھی اپنے دلی عناد کے اظہار سے باز نہ رہ سکے، لکھتے ہیں:

"آپ کے چہرے پر جس حسن وجمال اور طلعت وتابش کا تذکرہ محدثین کرتے ہیں اس سے انکار کی کسے اور کیوں مجال ہے۔"

صحیح بخاری اور ترمذی کی احادیثِ صحیحہ کو محض تذکرہ محدثین کے لفظ سے تعبیر کردینا کتنی جرأت اور دیدہ دلیری ہے، گویا پڑھنے والوں کے ذہن میں یہ تاثر پیدا کرنا مقصود ہے کہ جسم اقدس سے تابش نور کا مضمون صرف محدثین کی ذکر کی ہوئی بات ہے اور بس۔ حق کو چھپانے اور اس پر پردہ ڈالنے کی اس سے زیادہ اور کیا کوشش کی جاسکتی ہے، اور سنیے! فرماتے ہیں:

"یہ بھی ہم مانتے ہیں کہ بعض مرتبہ بعض حضرات نے آپ کے کسی عضو یا چند اعضا سے ایک ایسی روشنی خارج ہوتے ہوئے دیکھی جو اُن کے خیال میں حِسّی اور مرئی تھی"۔

جب آپ یہ مان چکے کہ بعض حضرات نے حضور کے اعضا سے روشنی خارج ہوتے ہوئے دیکھی تو اس کے بعد یہ کہنا کہ جو اُن کے خیال میں حسّی اور مرئی تھی، کیا معنی رکھتا ہے؟ دیکھی ہوئی چیز کا دیکھنے والے کے خیال میں مرئی ہونا عجیب بات ہے۔ مرئی کہہ کر پھر اسے خیال میں مرئی قرار دینا علاوہ مہمل اور لغو ہونے کے پڑھنے والوں کے لیے ایک زبردست مغالطہ بھی ہے اور وہ یہ کہ اس عبارت کو پڑھنے والا اس دھوکے میں مبتلا ہوسکتا ہے کہ شاید وہ روشنی دیکھنے والے کے صرف خیال میں مرئی ہو اور حقیقت میں مرئی نہ ہو، عامر صاحب کا مطلب بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

حیرت ہے کہ دیکھنے والوں کے نزدیک وہ روشنی حقیقی مرئی ہو اور نہ دیکھنے والوں کے نزدیک محض خیالی مرئی، کیا اس سے بڑھ کر بھی قلبی عناد کا مظاہرہ ہوسکتا ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حسن و جمال کے بارے میں صحابۂ کرام کے تاثرات کی بحث میں عامر صاحب لکھتے ہیں:

> ''ذرا اندازہ کیجیے، اہلِ کفر کو بھی اس تاثر میں شامل کرلیا گیا جو خالص ایمان کا ثمرہ تھا، ظالمو اگر یہی حقیقت ہوتی تو تمام ہی لوگ اہلِ ایمان کی طرح مومن نہ ہو گئے ہوتے۔''

طرزِ کلام ملاحظہ فرمایئے! معلوم ہوتا ہے کہ کمالاتِ رسالت کے خلاف عناد کا ایک طوفان ہے جو اُمڈا چلا آ رہا ہے، جس نے عقل و خرد ہوش و حواس سب پر پردے ڈال دیئے ہیں۔ دانشمندو! اتنا نہیں سوچتے کہ یہ نورانیتِ محمدیہ اگر پائی جائے تو آیاتِ الٰہیہ میں سے ایک آیت ہی ہوگی، جن کے دِلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے وہ روشن سے روشن ترین آیات اور معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے۔ موسیٰ علیہ السلام کا یدِ بیضا، عیسیٰ علیہ السلام کے مشہور معجزات احیائے موتیٰ وغیرہ، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا معجزہ شق القمر دیکھ کر بھی اگر کفار ایمان نہیں لائے اور اللہ تعالیٰ کی روشن آیات و معجزات کو جادو کہہ کر انکار کر دیا تو نورانیتِ محمدیہ کو دیکھ کر ایمان نہ لانا کون سے تعجب کی بات ہے؟ ظالمو! قرآن کی یہ آیت بھی بھول گئے ہو۔

وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔

اور اگر کافر خدا کی قدرت کا کوئی نشان دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو ایک ایسا جادو ہے جو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔

عامر صاحب نے ہمارے مسلک پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ:

''اگر حضور کا سورج اور چاند سے زیادہ روشن ہونا ظاہری اور طبعی معنی میں درست ہے تو پھر یہ بھی لازماً ہونا چاہیے تھا کہ پورا عرب نہ سہی، مکہ یا مدینہ سہی یہ بھی نہ سہی تو وہ راستے اور مکان سہی جن میں حضور موجود ہوتے تھے اس طرح روشن رہا کرتے جس طرح دِن میں ہوتے ہیں۔''

(تجلی دیوبند ص ۲۸، ۲۹، بابت ماہ جولائی ۱۹۶۰ء)

اس کا جواب ظل نمبر کے صفحات پر نہایت تفصیل اور پوری تحقیق کے ساتھ دیا جا چکا ہے جسے عامر صاحب سمجھ نہیں سکے یا جان بوجھ کر اس کے جواب میں لایعنی باتوں کا ایک طومار باندھ دیا ہے۔ ہم نے جواباً عرض کیا تھا کہ نفی ظہور نفیٔ وجود کو مستلزم نہیں، ظہور دو طرح سے ہوتا ہے، نفسِ ظہور اور ظہور عند الناظر، دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ مگر عامر صاحب اس کو نہیں سمجھ سکے۔ انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں بچکانہ اور بے مغز باتیں کہی ہیں جو قطعاً لائق التفات نہیں، لیکن ہم صرف ان کے زعم بطال کو توڑنے کے لیے عرض کرتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ظاہری معنی میں نور ہونے کے لیے یہ لازماً ہونا چاہیے تھا کہ پورا عرب یا مکہ اور مدینہ یا وہ راستے اور مکان جن میں حضور موجود ہوتے تھے سب روشن ہو جاتے تو ملائکہ کرام خصوصاً ملائکہ مقربین جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل علیہم السلام (جن کے ظاہری اور حقیقی نور ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں) کے نور حقیقی ہونے کے لیے لازماً یہ چاہیے تھا کہ زمین سے آسمان تک تمام جہان ظلمت اور تاریکی کے موقع پر اور رات کے وقت بھی دِن کی طرح روشن رہتا، کیونکہ ہر انسان کے ساتھ فرشتے موجود رہتے ہیں، نیز زمین سے آسمان تک شب و روز فرشتوں کی آمد و رفت حقیقتِ ثابتہ اور مسلم بین الفریقین ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا، تو کیا ملائکہ کے نور یا اس کے فی نفسہٖ ظہور کا انکار کیا جا سکتا ہے؟ ہاں یہ ضرور کہا جائے گا کہ ملائکہ کے نور ہونے اور اس کے فی نفسہٖ ظہور کے باوجود دیکھنے والوں پر

بھی اس کا ظہور ہمیشہ نہیں ہوتا۔ البتہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات دیکھنے والوں پر بھی فرشتوں کے نور کو ظاہر فرما دیتا ہے جیسا کہ بخاری شریف میں صریح حدیث وارد ہے کہ حضرت اسید بن حضیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کے وقت سورہ بقرہ کی تلاوت فرما رہے تھے کہ اچانک ان کا گھوڑا بدکنے لگا قریب تھا کہ ان کے بیٹے یحییٰ کو پامال کردے اچانک ان کی نظر آسمان کی طرف اُٹھی، بادل کی طرح ایک سائبان نظر آیا جس میں بے شمار چراغ روشن دکھائی دیئے۔ صبح کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا، حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے اسید بن حضیر! تم جانتے ہو کہ یہ چراغ کیسے تھے؟ عرض کیا حضور مجھے معلوم نہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، یہ ملائکہ تھے جو قرآن سننے کے لیے قریب ہو گئے تھے۔ اگر تم پڑھتے رہتے تو فرشتے غائب نہ ہوتے اور دوسرے لوگ بھی صبح کو انہیں اسی طرح دیکھ لیتے۔

(دیکھیے بخاری شریف، جلد ثانی، ص ۷۵۰)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ ملائکہ کی نورانیت کا ظہور دیکھنے والوں کے لیے ایک وقتِ خاص میں ہوا، حالانکہ ملائکہ قطعاً نوری مخلوق ہیں اور ان کی نورانیت ہر وقت ظاہر ہے۔ ثابت ہوا کہ ظہور بنفسہٖ کے لیے ظہور للناظر ضروری نہیں، اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شفاف اور لطیف جسم اقدس سے نورانیت کا نفس ظہور ہر وقت متحقق ہے لیکن ناظرین کے لیے اس کا ظہور اوقاتِ مخصوصہ میں ہوا جو نفسِ ظہور کے منافی نہیں۔ حضور کا سایہ نہ ہونے کے لیے نورانیتِ محمد کا نفس ظہور کافی ہے، ظہور للناظر ضروری نہیں۔ اگر عامر صاحب کے دِماغ میں فکرِ صحیح کی ادنیٰ صلاحیت بھی موجود ہے تو ہمارے اس بیان کو سمجھنے میں انہیں کوئی دِقت واقع نہ ہوگی اور اگر وہ اب بھی نہ سمجھے تو ہم سمجھ لیں گے کہ وہ فکرِ سلیم اور طبعِ مستقیم سے بالکل عاری ہیں۔

ہمارے اس بیان کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس حدیث کا مفہوم بھی واضح ہو گیا کہ لم یقم مع الشمس الا غلب ضوءہ ضوءھا، الحدیث یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ نہیں فرما رہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت روشنی دیکھنے والوں کی نظر میں سورج کی روشنی پر غالب ہوگئی بلکہ نفسِ واقعہ بیان فرما رہے ہیں، بایں نور کہ اگر غلبۂ نور محمدی کا ظہور دیکھنے والوں کے لیے ہو تو وہ یہی دیکھیں گے کہ نورِ

محمدی کی روشنی سورج اور چراغ کی روشنی پر غالب ہے کیونکہ اصل واقعہ یہی ہے، یہ اور بات ہے کہ کسی کو دیکھنا میسر نہ ہو، **ذلك فضل الله یو تیہ من یشاء**۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق جب چاہتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے اس پر غلبۂ نور کے ظہور کو مرئی فرما دیتا ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت فرشتوں کی نورانیت سے بدرجہا افضل و اعلیٰ اور برتر و بالا ہے، جس طرح ان کی نورانیت باوجود ظاہر ہونے کے ہر ایک کو ہر وقت محسوس نہیں ہوتی اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت بھی باوجود ظاہر ہونے کے ہر شخص کو، ہر جگہ اور ہر وقت محسوس نہیں ہوتی، لیکن جس طرح یہ عدم احساس فرشتوں کی نورانیت اور ان کے ظہور کے منافی نہیں، اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت اور اس کے نفس ظہور کے منافی نہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ مبارک کے فی نفسہٖ ظہور کا ناظرین کے لیے محسوس نہ ہونا اور اس کے باوجود ان کا تسلیم کرنا اس حدیث سے بھی واضح ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تاریکی میں اس طرح دیکھتے تھے جس طرح اُجالے میں دیکھتے تھے۔ یہ حدیث حسن ہے اور اسے بیہقی نے روایت کیا، دیکھیے زرقانی جلد ۴، ص ۸۳۔ نیز صحاح کی اس حدیث سے بھی یہ حقیقت واضح ہوتی ہے جسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام سے ارشاد فرمایا "**والله انی لارا کم من وراء ظهری**" الحدیث۔ یعنی خدا کی قسم میں تمہیں پیچھے سے اسی طرح دیکھتا ہوں جیسے آگے سے دیکھتا ہوں۔ جماعت متقدمین سے تو یہاں تک منقول ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہر طرف سے دیکھتے تھے۔ (زرقانی جلد ۴، ص ۸۴)

ظاہر ہے کہ یہ رؤیت نور کے بغیر ناممکن ہے اور ہر طرف سے رویت کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام جسمِ اقدس میں نور موجود تھا، جس کی وجہ سے حضور ہر طرف دیکھتے تھے۔ لیکن ناظرین کے لیے، یہ نور محسوس نہ تھا، باوجود اس کے انہوں نے اس کو تسلیم کیا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کو ہم اس معنی میں ہرگز نور نہیں سمجھتے کہ جسمِ اقدس بشریت اور عنصریت سے خالی تھا بلکہ ہمارا مسلک یہ ہے کہ جسمِ اقدس عناصرِ اربعہ سے مرکب ہونے کے باوجود عنصریت اور مادّیت کے تمام نقائص اور بشریت کے جملہ عیوب سے مبرّٰ ہ اور منزّہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کو اتنا صاف

اور شفاف مخلوق فرمایا تھا کہ ذاتِ مقدسہ کے باطنی نور کی چمک بدن مبارک سے ظاہر ہوتی تھی لیکن خارج میں اس کے ظہور کا احساس حکمت و مشیتِ ایزدی کے مطابق ہی ہوتا تھا۔

عامر صاحب نے میری پیش کردہ احادیث پر کلام کرتے ہوئے عجیب متضاد باتیں کی ہیں، ایک طرف تو وہ یہ مانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا جسمِ مبارک نورِ حسّی اور ظاہری سے بالکل خالی نہ تھا، دوسری طرف وہ تشبیہ کی آڑ لے کر اپنی تکذیب آپ فرما رہے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ طلعتِ رسالت کو نورِ حسّی مان کر پھر اسی طلعت کو نورِ حسّی سے تشبیہ دینا کس قدر لغو اور بے معنی ہے۔ پھر انہوں نے دیدہ ودانستہ دھوکا دینے کے لیے بعض شارحین مثلاً قسطلانی و زرقانی کے کلام سے تشبیہات کا لفظ بالکل بے محل نقل کر دیا، جن حدیثوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ انور کے متعلق "کان الشمس تجری فی وجہ رسول اللہ ﷺ" اور "کانہ قطعہ من القمر" جیسے الفاظ میں تشبیہات وارد ہوتی ہیں، ان کی شرح کرتے ہوئے شارحین نے تشبیہات واردہ پر کلام فرمایا ہے جس کا ہمارے مستدل سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہمارا استدلال تو ان احادیث سے ہے جنہیں دیکھ کر عامر صاحب کو بھی کہنا پڑا کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمِ مبارک کو حسّی اور ظاہری نور سے خالی نہیں مانتے۔

پھر لطف یہ کہ عامر صاحب نے حافظ ابن حجر کی ایک عبارت نقل کر کے عجیب نکتہ آفرینی فرمائی ہے، کہتے ہیں:

> "حضور کو جب چاند سے تشبیہ دی جاتی ہے تو وجہ شبہ صرف روشنی ہوتی ہے نہ کہ چاند کے دیگر خواص واوصاف۔" (تجلی دیوبند، بابت جولائی ۱۹۶۰ء، ص ۳۲)

دانش مند سے کوئی پوچھے کہ جب تم خود مان رہے ہو کہ چاند سے "حضور کی تشبیہ میں وجہ شبہ صرف روشنی ہوتی ہے" تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے روشنی ثابت ہوئی یا نہیں؟ کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ وجہ شبہ مشبّہ اور مشبّہ بہ دونوں میں مشترک ہوتی ہے اور جب روشنی یعنی نورِ حسّی کو وجہ شبہ مان لیا گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمِ اقدس میں اس کا پایا جانا ایسا ہی ضروری ہو گیا جیسا کہ چاند میں ضروری ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمانی سایہ کے ثبوت میں عامر صاحب کی ایک اور گل فشانی

ملاحظہ ہو۔ بخاری شریف کی طویل حدیث کا ایک جملہ نقل کیا ہے اور ساتھ ہی اس کا ترجمہ بھی لکھ دیا ہے، جو حسب ذیل ہے۔

فلما قیل ان رسول اللہ ﷺ قد اظل قادما زاح عنی الباطل وعرفت انی لن اخرج منہ ابداً بشیء فیہ کذب۔

پس جب خبر ملی کہ حضور مدینہ سے اس قدر قریب آ چکے ہیں کہ ان کا سایہ ارضِ مدینہ پر پڑ سکتا ہے تو معاً میرے دل سے غلط سلط بہانے بازی کا خیال کافور ہو گیا اور میں نے یقین کر لیا کہ حیلے بہانے مجھے میری موجودہ پوزیشن سے ہرگز عہدہ برآ نہ کر سکیں گے۔

(تجلی، دیوبند، جولائی ۱۹۶۰، ص ۳۳)

عامر صاحب نے اظل قادما کا ترجمہ کیا ہے کہ ''ان کا سایہ ارضِ مدینہ پر پڑ سکتا ہے'' اور اسی فقرہ سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ ثابت کر رہے ہیں، مگر لطف یہ ہے کہ اس کے بعد متصلاً خود ہی لکھتے ہیں۔

''ہم خوب جانتے ہیں کہ اظن قادما ایک اصطلاحی فقرہ ہے جس کے معنی فی الحقیقت یہ نہیں ہوتے کہ سچ مچ آنے والی شے کا سایہ پڑ رہا ہے بلکہ یہ بہت قریب آ جانے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ (تجلی، دیوبند، جولائی ۱۹۶۰، ص ۳۳)

عامر صاحب کی ان دونوں عبارتوں کو ملایئے اور سر دھنئے۔

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

اس کے بعد عامر صاحب کا چھچھوندر چھوڑنا کہ ''جب منکرینِ ظل نے یہ اندھیر مچا رکھا ہے.....تو کیوں نہ ہمیں بھی اجازت ہو کہ تمثیل کو حقیقی معنی میں لے لیں''۔ گوزِ شتر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا! اگر آپ کے زعمِ باطل میں منکرینِ ظل دوزخ کی طرف جا رہے ہوں تو کیا آپ بھی جہنم کے گڑھے میں گرنے کی اجازت طلب کریں گے؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت کے منکرین کا پرانا ہتھکنڈا یہ ہے کہ جہاں کسی آیت یا حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کے لیے لفظِ نور دیکھا، بلا تامل محض ہدایت کے

معنی پر محمول کر دیا اور لفظِ نور کو ہدایت محضہ سے استعارہ قرار دے دیا۔

السعید کے ظل نمبر میں منکرین کے اس پرانے ہتھکنڈے کا صفایا کیا گیا تھا اور نہایت تفصیل سے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی تھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ استعارہ کے معنی تو یہ ہیں کہ مشبہ بہ بول کر علاقہ تشبیہ کی بنا پر مشبہ مراد لیا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ لفظِ نور قرآن وحدیث میں استعارہ کے طور پر کئی جگہ استعمال ہوا ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حقیقی معنی میں کسی جگہ وارد نہ ہوا ہو۔

استعارہ وہیں ہوسکتا ہے جہاں اس لفظ سے مشبہ مراد لینا ممکن ہو، لیکن جہاں اس لفظ کے ساتھ مشبہ بہ کے ایسے اوصاف مذکور ہوں جن کے ہوتے ہوئے تشبیہ مراد لے کر مشبہ پر حمل ناممکن ہو تو ایسی صورت میں وہ لفظ استعارہ نہیں ہوسکتا۔ اس مفہوم کو واضح کرنے کے لیے کہا گیا تھا کہ اگر کوئی شخص رَاَیْتُ اَسَدًا کہے تو اسے استعارہ قرار دینا ممکن ہے لیکن جب کسی نے رَاَیْتُ اَسَدًا یَفْتَرِسُ کہا تو آپ اسے استعارہ نہیں کہہ سکتے۔

عامر صاحب کی ذکاوتِ طبع ملاحظہ کیجیے! دانش مند نے پورے مضمون سے آنکھ چرا کر صرف لفظ یَفْتَرِسُ کو مدِنظر رکھ لیا اور یہ نہ سمجھا کہ اس سے وہ صفات مراد ہیں جو حقیقی وصفِ افتراس کو متعین کر دیں جس کے بعد حیوانِ مفترس کے سوا کسی دوسرے پر اس لفظ کا حمل ممکن نہ ہو۔ اس غلط فہمی کی بنیاد پر کئی غلط مثالیں لکھ گئے، لیکن بالآخر اس کا انجام کیا ہوا، وہی جو ہونا چاہیے تھا یعنی

وہی کہنا پڑا آخر انہیں بھی ہم جو کہتے تھے
ہماری بات کی اوّل بڑی تردید ہوتی تھی

چنانچہ اسی استعارہ کی بحث میں ''نور'' سے نورِ حسّی مراد لینے کے لیے السعید میں جو دلائل پیش کیے گئے تھے ان کے جواب سے عاجز ہو کر عامر صاحب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمِ اقدس میں نورِ حسّی ماننا پڑا، یہ کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعض اعضا مبارکہ میں بعض اوقات اس نورِ حسّی کو تسلیم کیا، اسی استعارہ کی بحث میں ''السعید'' کی پیش کردہ روایات کے جواب میں فرماتے ہیں:

''دانتوں کی ریخوں سے نکلنے والا نور یا ناک کا نور یا انبساط کے وقت پیشانی کے خطوط کی چمک، یا وہ نور جس کی جھلک کبھی دیوار پر دیکھی گئی اگر یہ استعارہ نہیں بلکہ حسی طور پر ہی نور ہو تو اس سے پورے جسدِ اطہر کا مستقل طور پر ایسا نورِ حقیقی ہونا کیونکر ثابت ہوسکتا ہے کہ اس کا سایہ بھی نہ پڑتا ہو۔''

چند سطر بعد لکھتے ہیں۔

''لیکن روایات تو خود ہی بتا رہی ہیں کہ سراپا نور کا ذِکر نہیں بلکہ ایک انسان کا تذکرہ ہے جس کے بعض اعضاء جسم سے خاص اوقات میں اخراج[۱] نور کا مشاہدہ کیا گیا۔''

(تجلی دیوبند، جولائی ۱۹۶۰ء، ص ۳۹)

ناظرین کرام غور فرمائیں ''کوہ کندن وکاہ برآوردن'' اور کسے کہتے ہیں۔ جب ہماری پیش کردہ روایات کے بعد آپ مان چکے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جسم اقدس نورِ حسی سے بالکل خالی نہیں (جیسا کہ اس سے پہلے تجلی کا اقتباس ہدیۂ ناظرین ہوچکا ہے) اور اب استعارہ کی بحث میں بھی آپ کا آخری فیصلہ یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعضاءِ جسم اقدس سے نور کے نکلنے کا مشاہدہ کیا گیا، تو اب یہ کہنا کہ اگر یہ ''استعارہ نہیں'' **الخ**، کس طرح بے معنی اور دور از کار ہے۔ نورِ حسی مان کر ''اگر''، ''مگر'' کرنا عامر صاحب کی شکست خوردہ ذہنیت کا مظاہرہ ہے، یہ اور بات ہے کہ وہ صاف لفظوں میں اس کا اقرار نہ کریں اور ضد پر اڑے رہیں۔

اب اتنی گفتگو باقی رہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پورا جسمِ اقدس نورانی تھا یا صرف بعض اعضائے مبارکہ! تو اس کے متعلق سابقاً لکھ چکا ہوں، سرِ دست اتنا اور عرض کروں گا کہ عامر صاحب جو بار بار فطرت کو سامنے لاکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کمالاتِ نورانیت کا انکار کرتے ہیں۔ ذرا بتائیں کہ وہ کونسے قانونِ فطرت کی رو سے اپنے اس مسلکے کو ثابت کریں گے کہ علوم و معارف کا نور معنوی ''حسی نور'' کی صورت میں تبدیل ہوسکتا ہے، پھر اس تبدیلی کے بعد عالم وعارف کے بعض اعضا سے اس کا ظہور ہو اور بعض سے نہ ہوسکے جبکہ تمام اعضا اور پورا جسم

---

[۱] خروج کی بجائے اخراج لاعلمی نہیں محض اختلال حواس کی وجہ سے ہے۔

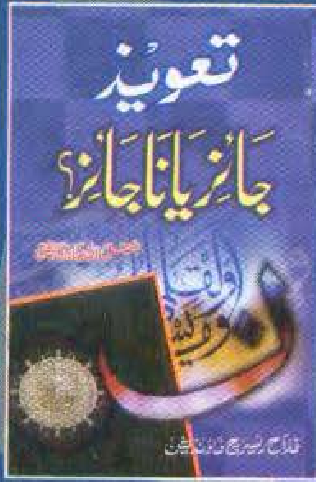
ایک ہی نوعیت کا ہو۔

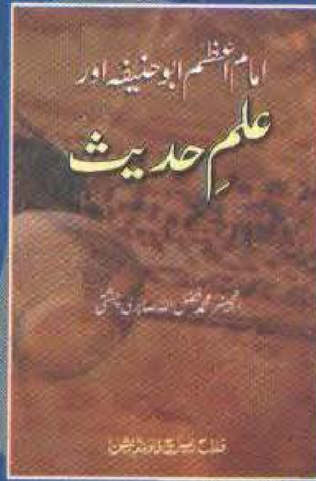
لامحالہ آپ یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے بطور خرق عادت اس نورِ معنوی کو حسّی حقیقی نور کی صورت میں تبدیل فرمادیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے چمکا۔ جب بعض اعضاے مبارکہ سے اس کا چمکنا خرقِ عادت کے طور پر ثابت ہوگا تو کل اعضاے مقدسہ سے اس کے ثبوت میں کون سا امر مانع ہے جبکہ لفظ نور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے وجودِ اقدس کے لیے دلائلِ شرعیہ اور کلامِ اکابر میں وارد ہوا۔

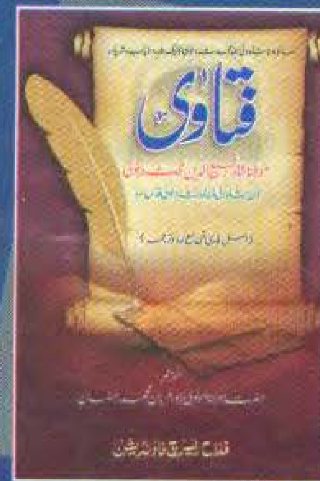
رہا یہ امر کہ جن روایات میں ظہورِ نور کا بیان ہے اس میں بعض اعضا ہی کا ذکر ہے، تمام اعضاے مبارکہ مذکور نہیں۔ مثلاً چہرۂ انور، دندانِ مبارک، بینی شریف، پیشانی مقدسہ! لہٰذا ان اعضا کے سوا دیگر اعضا کا منور ہونا منفی رہے گا۔ تو عجیب مضحکہ خیز بات ہے، اگر کوئی شخص اپنے محبوب کا حسن بیان کرنے کے لیے یہ کہہ دے کہ میرے محبوب کا چہرہ چاند کی طرح چمکتا ہے تو کیا اس چہرہ کا لفظ آ جانے کی وجہ سے کوئی کہہ سکے گا کہ چہرے کے سوا باقی تمام جسم کالا سیاہ ہے!! اگر عام انسانوں کے لیے چہرے کا ذکر باقی اعضا کے حسن کی نفی نہیں کرتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا ذکرِ جمیل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باقی اعضاے مقدسہ کے نور کی نفی کس طرح کر سکتا ہے؟ بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ دیگر اعضاے مقدسہ کا ذکر بھی احادیث میں صراحتاً وارد ہے۔

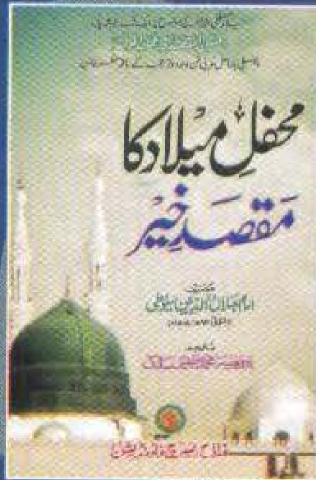
یہ مکمل مضمون ماہنامہ السعید، ملتان کے درج ذیل شماروں میں شائع ہوا۔

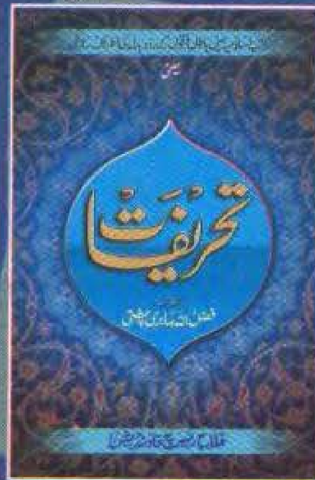
(۱) ماہنامہ السعید ملتان، شمارہ اپریل، مئی ۱۹۶۰ء (۲) ماہنامہ السعید ملتان، شمارہ جولائی ۱۹۶۰ء۔ (۳) ماہنامہ السعید ملتان، شمارہ اگست، ستمبر ۱۹۶۰ء۔ (۴) ماہنامہ السعید ملتان، شمارہ، اکتوبر ۱۹۶۰ء۔ (۵) ماہنامہ السعید ملتان، شمارہ، نومبر ۱۹۶۰ء۔ (۶) ماہنامہ السعید ملتان، شمارہ دسمبر ۱۹۶۰ء۔ (۷) ماہنامہ السعید ملتان، شمارہ، جنوری ۱۹۶۱ء۔ (۸) ماہنامہ السعید ملتان، شمارہ مارچ، اپریل ۱۹۶۱ء۔ (۹) ماہنامہ السعید ملتان، شمارہ مئی ۱۹۶۱ء۔ (۱۰) ماہنامہ السعید ملتان، نومبر ۱۹۶۱ء۔ (خلیل احمد رانا)

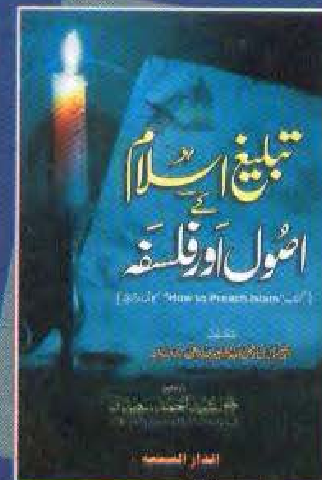














FALAAH RESEARCH FOUNDATION

523/7, Waheed Market, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006

Mobile: 09867934085 / Email: zubairqadri@in.com